بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

Islamic & Intellectual Studies Magazine

(IISM)

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

شمارہ: اکتوبر 2026ء، ربیع الثانی 1448ھ

أَلَّا تُشۡرِكُوا بِهِۦ شَيۡـًٔا

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر ۳۹:۳)

"خبر دار! خالص دین اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔"

www.mubashirnazir.org

Islamic & Intellectual Studies Magazine

(IISM)

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

آج جدید دور نے دین و دنیا سے متعلق مختلف سوالات پیدا کر دیے ہیں۔ کہیں الحاد کا دور دورہ ہے تو کہیں خود ساختہ ادیان رائج ہیں۔اِن حالات میں دین کی بلا تعصب، غیر جانبدارانہ اور قران و سنت کی روشنی میں درست ترجمانی ناگزیر ہے۔اسی مقصد کے لیے اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین (Islamic and Intellectual studies Magazine) کا اجراء کیا گیا ہے، تاکہ دورِ جدید میں مختلف موضوعات سے متعلق دین کا صحیح نقطۂِ نظر بلا کم و کاست قارئین تک پہنچایا جاسکے۔اِس میگزین میں ایمان و اخلاق کی دعوت، تعمیر سیرت، اللہ اور آخرت کی معرفت، تاریخ، سوشل سائنسز اور دورِ حاضر کے تمام گمراہ کن نظریات کو پہچان کر ان سے بچنے کے حوالے سے موضوعات زیرِ بحث آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سارے معاملے میں ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین

مجلس تحریر

محمد مبشر نذیر، رفعت نواب مصعب، خضر حمید
ڈاکٹر محمد عقیل، ڈاکٹر شکیل عاصم، حافظ محمد شارق
ڈاکٹر ظہور احمد دانش، محمد رضوان، محمد ثوبان
شاہ فیصل ناصر، عبد الباسط، سلمان رضوان

سر پرستِ اعلی: محمد مبشر نذیر

مدیر: رفعت نواب مصعب

نائب مدیر: خضر حمید

نوٹ: مدیر کا مراسلہ نگار سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

آفیشل ویب سائٹ: www.mubashirnazir.org

رابطہ کرنے، تحریریں، آراء اور سوالات بھیجنے کے لئے

Mubashirnazir100@gmail.com , refatnawab@gmail.com

فہرست مضامین

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

	صراط مستقیم اور اس کے بنیادی مطالبات (1) أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا	رفعت نواب مصعب	3
1	امت مسلمہ کی دعوتی، علمی، فکری اور تہذیبی تاریخ (1)	محمد مبشر نذیر	15
2	درس قران کریم	خضر حمید	23
3	کیا قرآن انسانی تصنیف ہو سکتا ہے؟	طلحہ خضر	26
4	ربیع الاول—ایک خوش خبری	مریم فاطمہ	29
5	بدگمانی، ذہنی وسوسے اور معاشرتی اعتماد	خضر حمید	30
6	دیواروں پر لگی گھڑیاں اور رُکتا ہوا وقت	فاطمۃ الزہراء	32
7	انسانی ذہن اور وجودِ الٰہی	ڈاکٹر محمد عقیل	34
8	قرآن میں تدبر کی اہمیت	وحید الدین خان	38
9	**سلسلہ سوال وجواب** 1. آخرت میں غیر مسلموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا کرے گا؟ 2. کیا مسلم اور غیر مسلم کی شادی جائز ہے؟	محمد مبشر نذیر	39 39 41
10	تعلیمی وتربیتی کورسز کے ویب لنکس		44

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صراط مستقیم اور اس کے بنیادی مطالبات (1)

أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا

رفعت نواب مصعب

سورۃ انعام کی درج ذیل آیات میں صراط مستقیم کے کچھ مطالبات بیان کئے گئے ہیں؛

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (١٥١) وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (١٥٢) وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ [الأنعام: ١٥١-١٥٣]	ان سے کہو کہ آؤ، میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے تم پر کیا حرام ٹھیرایا ہے۔ یہ کہ کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، (اُن کے ساتھ کبھی کوئی برا رویہ اختیار نہ کرو) اور اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔ اور فواحش کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے اور کسی جان کو جسے اللہ نے حرام ٹھیرایا ہے، ناحق قتل نہ کرو۔ یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تمہیں ہدایت کی ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔ اور یہ کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو (اُس کے لیے) بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ سن رشد کو پہنچ جائے۔ اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری رکھو۔ ہم کسی جان پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ اور جب بات کہو تو حق کی بات کہو، اگرچہ معاملہ اپنے کسی رشتہ دار ہی کا ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ چیزیں ہیں جن کی اللہ نے تمہیں ہدایت کی ہے تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔ (اور فرمایا ہے) کہ یہی میرا راستہ سیدھا راستہ ہے، سو اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہارے پروردگار کی راہ سے تمہیں الگ کر دیں۔ یہ باتیں ہیں جن کی اس نے تمہیں ہدایت کی ہے تاکہ (اُس کی گرفت سے) بچے رہو

ان آیات میں صراط مستقیم کے نو مطالبات بیان کئے گئے ہیں، جن کی ترتیب یہ ہے؛

1. شرک نہ کرنا
2. والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا
3. تنگی رزق کے خوف سے اولاد کو قتل کرنا
4. ظاہر اور خفیہ فحاشی کے قریب بھی نہ جانا
5. ناحق قتل کرنا
6. یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جانا سوائے کفالت کرنے کے
7. ناپ اور تول کو پورا کرنا
8. عدل پر مبنی بات کرنا خوہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو
9. اللہ سے کئے عہد پر قائم رہنا

ان مطالبات میں سے پہلے مطالبے " أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا "کی تفصیل ہم اس آرٹیکل بیان کریں گے۔

شرک نہ کرنا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو بنیادی احکام بیان فرمائے ہیں، ان میں سب سے پہلے توحید قبول کرنے اور شرک سے اجتناب کا حکم آتا ہے:

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا (الأنعام 6:151)

کہہ دیجیے: آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں: یہ کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

یہاں أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا کے الفاظ انتہائی جامع ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اختیارات اور بالخصوص عبادت کے کسی ایسے حق میں جو صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے، کسی مخلوق کو اس کا شریک نہ بنایا جائے۔ قرآن شرک کو معمولی عقیدے کی غلطی نہیں بلکہ "ظلم عظیم "قرار دیتا ہے۔ اس بات کو لقمان رضی اللہ عنہ کا قول بیان فرماتے ہوئے واضح کیا گیا ہے۔

يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان 31:13)

"اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

شرک سے کیا مراد ہے؟

لفظ **شرک** عربی مادہ **ش ر ک** سے ہے، جس کا بنیادی مفہوم کسی کو دوسرے کے ساتھ شریک کرنا ہے۔ دینی اصطلاح میں شرک کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ " اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو کسی ایسے حق، مقام، صفت یا عبادت میں شریک کرنا جو اللہ کے لیے خاص ہے۔"۔ سب سے واضح صورت یہ ہے کہ انسان اللہ کے علاوہ کسی کو معبود بنائے، یعنی ایسی عبادت کرے جو صرف اللہ کا حق ہے۔ مثلاً:

- اللہ کے علاوہ کسی کے لیے عبادت کرنا۔
- کسی غیر اللہ کو معبود سمجھ کر پکارنا۔
- کسی مخلوق کے لیے عبادت کی نذر یا قربانی کرنا۔
- کسی غیر اللہ کے سامنے عبادت کے طور پر سجدہ کرنا۔
- کسی مخلوق کو اللہ کے برابر، مافوق الاسباب اور مستقل طور پر غیبی اختیار کا مالک سمجھنا۔

قرآن نے اسی لیے فرمایا: **أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا** یعنی اللہ کے ساتھ **کسی چیز** کو شریک نہ کرو۔(الأنعام 6:151)

شرک اتنا بڑا جرم کیوں ہے؟

اس کا جواب قرآن نے بہت مختصر مگر انتہائی جامع الفاظ میں دیا۔ **إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ** " یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (لقمان) ظلم کا ایک بنیادی مفہوم کسی حق کو اس کے اصل مستحق سے ہٹا کر کسی دوسرے کو دے دینا ہے۔ اللہ نے انسان کو پیدا کیا، اس کو رزق دیا، زندگی دی، کائنات کو پیدا کیا اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔ لہٰذا جب انسان عبادت کا کوئی حق مخلوق کو دے دیتا ہے تو قرآن اسے عظیم ظلم قرار دیتا ہے۔

قرآن کے مطابق شرک کی ایک اہم خصوصیت

ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ مشرک لازماً اللہ تعالیٰ کو خالق ہی نہیں مانتا ہو گا۔ قرآن بتاتا ہے کہ مکہ کے مشرکین اللہ کو خالق مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ (لقمان ۳۱:۲۵)	اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ۔"

اصل مسئلہ یہ تھا کہ وہ اللہ کو خالق ماننے کے باوجود عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے تھے۔اسی حقیقت کو قرآن نے یوں بیان کیا:

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر ۳۹:۳)

"خبردار! خالص دین اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔"

یہ آیت شرک کی نفسیات کا بہت اہم پہلو واضح کرتی ہے۔ مشرک کا شرک ہمیشہ اس عقیدے پر مبنی نہیں ہوتا کہ اللہ ہی موجود نہیں یا اللہ ہی خالق نہیں۔ بسا اوقات وہ اللہ کو مانتا ہے مگر عبادت، توسلِ باطل یا مافوق الاسباب تصرف کے تصور میں مخلوق کو شریک کر دیتا ہے۔

قدیم دور میں شرک کی مختلف شکلیں

بتوں کی عبادت

قرآن مختلف اقوام کے شرک کی مختلف صورتیں بیان کرتا ہے۔نوح علیہ السلام کی قوم میں معروف بتوں کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔ وَدًّا وَسُوَاعًا وَيَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (نوح 71:23) یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ قوم نوح کے صالح لوگ تھے، ان کی وفات کے بعد لوگ ان کی قبروں سے وابستہ ہو گئے اور کچھ لوگوں نے ان کی بت بنا لئے۔ یہ بت بعد میں باقاعدہ معبود بنا لیے گئے۔

اللہ کے ساتھ دوسروں کو سفارشی یا واسطہ سمجھنا

مشرکین مکہ غیر اللہ کی عبادت کرنے کی توجیہ یہ بیان کرتے تھے: هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ (یونس 10:18)" یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔" یہاں مسئلہ محض کسی شخص کا احترام نہیں تھا، بلکہ مخلوق کو اس انداز سے مذہبی واسطہ بنانا تھا جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ قرآن نے مشرکین کا یہ قول بھی نقل کیا:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر: 3)

"ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔"

یہ آیت شرک کی ایک بنیادی ذہنی ساخت سامنے لاتی ہے کہ اللہ کو ماننا، لیکن عبادت کا کچھ حصہ دوسروں کے لیے اس لئے مخصوص کر دینا کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینا

مشرکین نے فرشتوں کے بارے میں بھی باطل عقائد قائم کیے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا (الزخرف ۴۳:۱۹)

(ان پر افسوس)، انھوں نے فرشتوں کو، جو خدائے رحمٰن کے بندے ہیں، بیٹیاں بنا دیا!

یعنی فرشتوں کے بارے میں باطل نسبت قائم کی گئی۔

اللہ کے مقابلے میں کسی کو رب یا اطاعت کا محور بنانا

شرک صرف بت سے مانگنے یا اس کے سامنے جھکنے کا نام نہیں۔ قرآن نے بعض اہل کتاب کے بارے میں فرمایا:

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ (التوبہ 9:31)

اللہ کے سوا انھوں نے اپنے فقیہوں اور راہبوں کو رب بنا ڈالا ہے۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ وہ ان علماء و راہبوں کو سجدہ نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ حلال و حرام کے معاملے میں اللہ کے حکم کے مقابلے میں ان کی اطاعت کرتے تھے تو یہ ایک انتہائی سنگین دینی انحراف تھا۔ اہل کتاب اس عمل پر اللہ کی تنقید سے ہمیں ایک اہم اصول ملتا ہے۔ وہ یہ کہ "توحید کا تعلق صرف عبادت گاہ سے نہیں، بلکہ اللہ کے حقِ تشریع اور حلال و حرام کے آخری اختیار سے بھی ہے۔"

صرف ایک اللہ کی عبادت سے کیا مراد ہے؟

قرآن کا یہ بنیادی مطالبہ ہے کہ عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہئے۔ ہر مسلمان کو سکھایا گیا کہ وہ نماز میں کہے: إِيَّاكَ نَعْبُدُ "ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں۔" (الفاتحہ 1:5) یہاں صرف تیری عبادت کہنا اصل ہے۔ عبادت کا مطلب صرف نماز، روزہ یا سجدہ نہیں۔ عبادت میں اللہ کے لیے مخصوص مختلف اعمال شامل ہو سکتے ہیں، مثلاً دعا، نذر، قربانی، استعانت، جب معاملہ غیبی اور عبادت کے مفہوم میں ہو، استغاثہ، خوفِ عبادت، امید اور رجاء کی عبادتی کیفیت، محبتِ عبادت، توکلِ عبادت، سجدہ، رکوع، طواف بطور عبادت، اللہ کے لیے خاص قسم کی بندگی وغیرہ عبادت کی مختلف شکلیں ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا:

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (الجن 72:18)

"اور یہ کہ مساجد اللہ کے لیے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔"

کیا ہر مدد مانگنا شرک ہے؟

نہیں۔ یہ ایک اہم علمی نکتہ ہے۔ کسی زندہ انسان سے اس کام میں مدد مانگنا جس پر وہ قدرت رکھتا ہے، بذاتِ خود شرک نہیں۔ مثلاً ڈاکٹر سے علاج کروانا، استاد سے علم سیکھنا، کسی شخص سے پانی مانگنا اور کسی سے دروازہ کھولنے کو کہنا وغیرہ یہ انسانی اسباب ہیں۔ مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں کسی مخلوق کو اللہ کے ساتھ غیبی اور مافوق الاسباب اختیار دیا جائے، یا ایسی عبادت کی جائے جو صرف اللہ کا حق ہے۔ اس لیے ہر لفظ "مدد"، "سفارش"، "وسیلہ "یا" پکار" کو الگ الگ دیکھنا چاہیے۔ اس کا حکم نیت، عقیدہ، الفاظ، سیاق اور شرعی دلیل سے متعین ہو گا۔

توحید کی بنیادی جہتیں

علمائے عقیدہ نے قرآن و سنت کے مختلف نصوص کو منظم کرتے ہوئے توحید کو مختلف جہتوں میں بیان کیا ہے۔

توحید ربوبیت

اللہ کو خالق، مالک، رازق، مدبر، زندہ کرنے اور موت دینے والا ماننا۔

توحید الوہیت

صرف اللہ کو **معبود** ماننا اور عبادت کی تمام مخصوص صورتیں اسی کے لیے خالص کرنا۔ یہ وہ پہلو ہے جس کے مقابلے میں **شرک فی العبادۃ** بنیادی مسئلہ بنتا ہے۔

توحید اسماء وصفات

اللہ کے ان اسماء وصفات کو ماننا جو قرآن و سنت میں ثابت ہیں، بغیر تحریف، تعطیل، تکییف اور تمثیل کے۔ مثلاً اللہ علیم ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، رحیم ہے، قدیر ہے۔ کسی بھی مخلوق کو اللہ کے برابر قرار نہیں دیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الشوریٰ 42:11) اس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

موجودہ دور میں شرک کی شکلیں

غیر اللہ کے لیے عبادت

اگر کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے عبادت کی نذر مانے، قربانی کرے، عبادت کا سجدہ کرے یا ایسی دعا جو صرف اللہ سے مانگی جانی چاہیے کرے، تو یہ شرک کے بنیادی مفہوم میں داخل ہو سکتا ہے۔

غیر اللہ کو مافوق الاسباب طور پر تصرف کا مالک سمجھنا

مثلاً کسی بزرگ یا مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اللہ سے مستقل طور پر بے نیاز ہو کر رزق دیتے ہیں، اولاد دیتے ہیں، بیماری دور کرتے ہیں، تقدیر بدلتے ہیں، غیب کا مستقل علم رکھتے ہیں، کائنات میں مستقل تصرف کرتے ہیں۔ تو یہ توحید کے بنیادی اصول سے متصادم ہے۔

قبروں اور بزرگوں کے بارے میں غلو

اسلام بزرگوں کا احترام سکھاتا ہے، لیکن احترام اور عبادت ایک چیز نہیں۔ کسی صالح انسان سے محبت، اس کی تعظیم اور اس کی زندگی سے فائدہ اٹھانا ایک الگ مسئلہ ہے۔ لیکن کسی مخلوق کو وہ اختیارات دینا جو اللہ کے لیے خاص ہیں، یا اس کے لیے عبادت کی ایسی صورت اختیار کرنا جس کی شریعت میں اجازت نہیں، خطرناک حد تک شرک کے قریب یا شرک میں داخل ہو سکتا ہے۔

جادو، نجوم اور غیبی طاقتوں کے بارے میں غلط عقائد

اگر انسان کسی نجومی، جادوگر، عامل، روح یا کسی اور مخلوق کو اللہ کے علاوہ مافوق الاسباب طور پر اختیار رکھنے والا سمجھ لے تو یہ توحید کے خلاف ہے اور شرک ہے۔

تعویذ گنڈے کے بارے میں عقیدہ

امت کے اندر تعویذ کی مختلف شکلیں پائی جاتی ہیں، کوئی قرآنی تعویذ پہنتا تو کوئی کڑے چھلے اور گھونگے مونگے میں شفا سمجھتا اور کوئی چاقو چھری اور تالے میں بلاؤں کا دفعیہ مانتا ہے تو کوئی گائے کا سینگ اور گھوڑے کا نعل لٹکائے بیٹھا ہے۔ اس طرح کی چیزوں کو حدیث میں تمیمہ کہا گیا ہے اور اسے شرک قرار دیا گیا ہے۔[1]

ریا اور دکھاوا

نماز، صدقہ، تلاوت، حج یا دینی خدمت اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔ اگر اصل مقصد لوگوں کی تعریف حاصل کرنا بن جائے تو یہ اخلاص کے خلاف ہے اور احادیث میں ریا کو شرکِ اصغر کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اللہ کے مقابلے میں مخلوق کو آخری مطاع سمجھنا

ہر انسان کا کسی استاد، پیر، عالم، لیڈر، خاندان یا جماعت سے تعلق ہو سکتا ہے، لیکن کسی انسان کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے ٹکرا جائے تو اللہ کا حکم مقدم ہو گا۔ یہی توحید کا عملی تقاضا ہے۔

[1] اس موضوع پر مکمل تفصیل جاننے کے لئے میری کتاب "**تعویذ گنڈے کا شرک اور علماء کی ذمہ داری**" ملاحظہ فرمائیں۔

شرک سے بچنے کے لیے کیا تقاضے ہیں؟

پہلا تقاضا: صحیح علم

شرک سے بچنے کا پہلا ذریعہ صرف جذبات نہیں بلکہ توحید کا صحیح علم ہے۔ قرآن کہتا ہے؛

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ "پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔" (محمد 47:19)

دوسرا تقاضا: عبادت میں اخلاص

ہر عبادت سے پہلے یہ سوال سوچنا چاہئے کہ "میں یہ کس کے لیے کر رہا ہوں؟" اگر جواب اللہ ہے تو اخلاص پیدا کرنا ہو گا۔

تیسرا تقاضا: دعا صرف اللہ سے

قرآن کہتا ہے: فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا "پس اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔" (الجن 72:18)

چوتھا تقاضا: اسباب اور مسبب میں فرق

توحید کا مطلب یہ نہیں کہ انسان دنیاوی اسباب چھوڑ دے۔ ڈاکٹر سے علاج کروانا، دوا استعمال کرنا، روزگار اختیار کرنا اور کسی انسان سے جائز مدد لینا شرک نہیں۔ اصل عقیدہ یہ ہے کہ اسباب مؤثر ہونے میں اللہ کے محتاج ہیں۔

پانچواں تقاضا: غلو سے بچنا

قرآن اور سنت دونوں انسانوں کے بارے میں غلو سے روکتے ہیں۔ کسی نبی، ولی، عالم یا بزرگ سے محبت کا مطلب یہ نہیں کہ اسے اللہ کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔

توحید کی اہمیت

توحید اسلام کے پورے تصور کی بنیاد ہے۔ قرآن کہتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ "میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔" (الذاریات 51:56) نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: فَإِنَّ حَقَّهُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا "اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ کا ان پر حق ہے کہ انہیں عذاب نہ دے۔ (جامع الترمذی 2642)۔ یہ حدیث توحید کی اہمیت کو انتہائی واضح کرتی ہے۔

شرک کی سزا

شرک کی سزا کے بارے میں قرآن و سنت میں انتہائی سخت وعید آئی ہے۔

اگر شرک سے توبہ کیے بغیر موت آجائے تو معافی نہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء ۴:۴۸) "بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے۔"

اسی مضمون کو آیت 116 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مشرک کے لیے زندگی میں توبہ کا دروازہ بند ہے۔ اگر انسان زندگی میں شرک چھوڑ کر سچی توبہ کرے تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ قرآن فرماتا ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ (الزمر ۳۹:۵۳) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنھوں ے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔

لہٰذا یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اگر شرک پر قائم رہتے ہوئے موت آجائے تو ناقابلِ معافی حالت ہوگی اور اگر زندگی میں شرک سے توبہ کرلی گئی ہو تا اللہ کی رحمت سے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

شرک اعمال کو ضائع کر سکتا ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی یہ اصول بیان فرمایا ہے، حالانکہ وہ شرک نہیں کرتے۔ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ "اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا۔" (الزمر 39:65) اس سے شرک کی سنگینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

شرک کے ساتھ موت جہنم کا سبب ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ "جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا تھا، وہ جہنم میں داخل ہوگا۔" اور اس کے مقابل فرمایا: وَمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ "اور جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (صحیح مسلم 92، 93)

شرک کو "سب سے بڑا گناہ" کیوں کہا گیا؟

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا : أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ؟ "اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ "یہ کہ تم اللہ کا شریک ٹھہراؤ، حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔" (صحیح مسلم 86)

صحیح بخاری کی روایت میں بھی نبی ﷺ نے شرک کو کبیرہ گناہوں میں سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ثَلَاثًا قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ قَالَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ

نبی ﷺ نے تین بار فرمایا کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ لوگوں نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا والدین کی نافرمانی کرنا اور آپ تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ سن لو جھوٹ بولنا اور بار بار اس کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ ﷺ خاموش ہو جاتے۔

توحید کا اجر

توحید کا سب سے بڑا اجر اللہ کی رضا اور جنت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ "جو شخص اللہ سے اس حال میں ملے کہ اس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو، وہ جنت میں داخل ہو گا۔" (صحیح مسلم 93) اور معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا کہ جو بندے اللہ کو اکیلا معبود مان کر اسی کی عبادت کرتے ہیں اور شرک نہیں کرتے، ان کے لیے اللہ کی طرف سے عذاب سے نجات کا وعدہ ہے۔

توحید صرف ایک عقیدہ نہیں، زندگی کا پورا نظام ہے

توحید کا مطلب صرف یہ کہنا نہیں کہ "اللہ ایک ہے۔" بلکہ اس کے عملی نتائج بھی ہیں۔ عقیدے میں، صرف اللہ کو معبود ماننا۔ عبادت میں، عبادت صرف اللہ کے لیے کرنا۔ دعا میں، صرف اللہ سے دعا کرنا۔ خوف میں، اللہ کا ایسا خوف جو عبادت کی شکل اختیار کرے، صرف اللہ کے لیے رکھنا۔ امید میں، اصل غیبی امید اللہ سے رکھنا۔ توکل میں، دل کا اعتماد اللہ پر رکھنا اور جائز اسباب اختیار کرنا۔ قانون و حلال و حرام میں، اللہ کے حکم کو آخری معیار ماننا۔ مصیبت میں، صرف اللہ سے مدد اور رجوع کرنا۔ نعمت میں، صرف اللہ کا شکر ادا کرنا، یہ سب توحید کی عملی شکلیں ہیں۔

ایک انتہائی اہم علمی احتیاط

شرک کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے دو انتہاؤں سے بچنا ضروری ہے۔

پہلی انتہا: شرک کو معمولی بنا دینا

یہ کہنا کہ "سب لوگ اللہ کو مانتے ہیں، اس لیے شرک کا مسئلہ ہی ختم ہو گیا ہے۔" قرآن اس تصور کو قبول نہیں کرتا۔ مکہ کے مشرکین بھی اللہ کو خالق مانتے تھے، لیکن ان کا شرک عبادت اور مذہبی نسبت میں تھا۔

دوسری انتہا: ہر اختلافی عمل کو شرک کہنا

یہ بھی درست نہیں۔ کسی عمل کے بارے میں یہ کہنا کہ "یہ بھی شرک ہے" اور کسی مخصوص مسلمان کے بارے میں یہ کہنا "فلاں شخص مشرک ہے" دونوں ایک ہی بات نہیں۔ کسی مخصوص فرد پر حکم لگانے کے لیے علماء کے نزدیک اس شخص کا علم، قصد، عقیدہ، حجت، جہالت، تاویل اور دیگر متعلقہ شرعی اصول کا لحاظ ضروری ہے۔ اس لیے اہل علم کو چاہیے کہ توحید کی حفاظت بھی کریں اور مسلمانوں پر بے بنیاد تکفیر سے بھی بچیں۔

قدیم اور جدید شرک میں ایک بنیادی مماثلت

زمانہ بدل گیا، ذرائع بدل گئے، مگر شرک کی بنیادی نفسیات کئی جگہ وہی رہتی ہے۔ قدیم مشرک کہتا تھا : مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ "ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔" (الزمر) آج بھی اگر کوئی شخص کسی مخلوق کو اللہ کے ساتھ ایسے اختیارات یا عبادتی حقوق دینے لگے جو اللہ کے لیے خاص ہیں، تو مسئلہ بنیادی طور پر وہی ہے۔ اسی طرح قدیم زمانے میں بت سامنے موجود تھا، جبکہ آج شرک کی ممکنہ صورتیں شخصیت پرستی، غلو، غیبی اختیارات کے غلط عقائد، ریا، یا مخلوق کو اللہ کے مخصوص حقوق دینے کی صورت میں ظاہر ہو سکتی ہیں۔ لیکن ہر جدید مذہبی رسم کو شرک قرار دینے کے بجائے قرآن و سنت کے اصول پر اسے پرکھنا ضروری ہے۔

توحید پر قائم رہنے کا عملی نسخہ

ایک مسلمان کے لیے روزانہ کی زندگی میں چند سوال انتہائی مفید ہیں:

1. میں سب سے زیادہ کس سے مانگتا ہوں؟
2. میں عبادت کس کے لیے کرتا ہوں؟
3. میری نذر اور قربانی کس کے لیے ہے؟
4. میری سب سے بڑی غیبی امید کس سے وابستہ ہے؟
5. کیا میں کسی مخلوق کو اللہ کے برابر یا اس کے مستقل اختیار کا مالک سمجھتا ہوں؟

6. کیا میری عبادت اللہ کے لیے ہے یا لوگوں کی تعریف کے لیے؟
7. کیا میں کسی بزرگ، پیر، عالم، لیڈر یا شخصیت کے بارے میں غلو تو نہیں کر رہا؟
8. کیا میرا توکل اللہ پر ہے یا میں اسباب کو مستقل مؤثر سمجھ رہا ہوں؟

یہ سوالات انسان کو اپنے عقیدے اور عمل کا محاسبہ کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔

ساری گفتگو کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن کے مطابق شرک صرف بت کے سامنے سجدہ کرنے کا نام نہیں۔ اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی مخصوص حق میں کسی مخلوق کو شریک کر دیا جائے۔ قدیم زمانے میں اس کی صورتیں بتوں کی عبادت، مخلوق کو سفارشی و واسطہ سمجھنا، فرشتوں اور دیگر مخلوقات کے بارے میں باطل عقائد اور اللہ کے مقابلے میں مذہبی اختیار قائم کرنا تھیں۔ آج بھی اس کی ممکنہ صورتوں میں غیر اللہ کے لیے عبادت، مستقل غیبی تصرف کا عقیدہ، مخلوق کے بارے میں غلو، عبادت میں ریا، اور اللہ کے مخصوص حقوق میں کسی مخلوق کو شریک کرنا مختلف شکلوں میں موجود ہے۔

اس کے مقابلے میں توحید کا مطلب صرف یہ ماننا نہیں کہ اللہ خالق ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ "اللہ ہی واحد معبود ہے، لہٰذا عبادت کی ہر مخصوص قسم صرف اسی کے لیے ہے۔" قرآن نے شرک کو **لَظُلْمٌ عَظِيمٌ** "بہت بڑا ظلم" قرار دیا ہے۔ اور فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ "بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔" یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو شرک سے توبہ کیے بغیر اسی حالت میں اللہ سے ملے۔ زندگی میں سچی توبہ کرنے والا اللہ کی رحمت سے محروم نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے شرک کو اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ قرار دیا، جبکہ اس کے برعکس شرک سے پاک ہو کر اللہ سے ملنے والے کے لیے جنت کی بشارت دی۔

آخری بات

توحید یہ ہے کہ جو حق صرف اللہ کا ہے، وہ صرف اللہ کو دیا جائے؛ اور شرک یہ ہے کہ اللہ کے کسی مخصوص حق میں کسی مخلوق کو شریک کر دیا جائے۔ اسی لیے قرآن کی دعوت کا بنیادی خلاصہ ہے: أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا "اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔" یہ محض ایک عقیدہ نہیں بلکہ انسان کی پوری زندگی، عبادت، دعا، توکل، محبت، خوف، امید اور اطاعت کی سمت متعین کرنے والا اصول ہے۔

اللہ رب العزت ہم سب کو توحید پر قائم رکھے اور ہر طرح کے شرک سے محفوظ فرمائے۔ آمین

جاری۔۔

امت مسلمہ کی دعوتی، علمی، فکری اور تہذیبی تاریخ (1)

محمد مبشر نذیر

مسلمانوں کے تہذیبی جمود اور زوال کے دور کا عمومی جائزہ

(656-1342/1258-1924)

یہ وہ زمانہ ہے جب نہ صرف بنو عباس کا اقتدار ختم ہوا بلکہ اس کے بعد خلافت کا برائے نام ادارہ بھی عملاً ختم ہو گیا۔ عالم اسلام کے مشرقی حصے پر منگول قابض ہو گئے جبکہ مختلف علاقوں میں مختلف علاقائی سلطنتیں قائم رہیں جن میں سب سے طاقتور اور مستحکم سلطنتیں ہندوستان اور مصر میں مملوک سلاطین یعنی غلام بادشاہوں کی سلطنتیں تھیں۔ بقیہ سلطنتوں میں اکھاڑ پچھاڑ چلتی رہی اور عالم اسلام ان سلطنتوں کی باہمی جنگوں کا شکار رہا۔ ادھر مغرب یعنی شمالی افریقہ اور اسپین میں اسی زمانے میں موحدین کی سلطنت 668/1270 میں ختم ہو گئی اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں جو اقتدار کے لیے ایک دوسرے سے برسرپیکار رہیں، یہاں تک کہ 897/1492 میں اسپین میں مسلمانوں کے اقتدار کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ مصر کے مملوک سلاطین نے آخری عباسی خلیفہ مستعصم کے ایک رشتے دار کو خلیفہ بنا کر مصر میں جگہ دی لیکن خلیفہ کی حیثیت بس ایک ربڑ اسٹیمپ کی رہ گئی۔ یہ صورتحال 922/1517 تک چلی، جب آخری عباسی خلیفہ مستعین باللہ نے یہ برائے نام خلافت بھی عثمانی سلطان سلیم اول کے سپرد کر دی۔

دسویں صدی ہجری / سولہویں صدی عیسوی میں امت مسلمہ کا دوسرا سیاسی عروج شروع ہوا جو اگرچہ پہلے عروج جیسا نہ تھا، لیکن پھر بھی ساتویں سے نویں صدی کے مقابلے صورتحال بہت بہتر ہو گئی۔ عالم اسلام تین بڑی سلطنتوں یعنی ترکی، عرب اور شمالی افریقہ کی سلطنت عثمانیہ (r. 699-1342/1299-1924)، ایران کی صفویہ (r. 907-1148/1501-1736) اور ہندوستان کی مغلیہ (r. 932-1273/1526-1857) کی صورت میں منظم ہوا، جو کہ "گن پاؤڈر ایمپائرز" کہلاتی ہیں کیونکہ یہ تینوں سلطنتیں بارود کی طاقت پر قائم ہوئیں۔ یہ تینوں سلطنتیں کم و بیش 1009-1112/1600-1700 کے زمانے میں اپنے عروج کو پہنچیں اور پھر 1112/1700 کے فوراً بعد ان تینوں کا سیاسی زوال شروع ہوا۔ زوال کا یہ عمل صفوی سلطنت میں بہت تیزی سے ہوا اور یہ محض 35-30 برس میں ختم ہو گئی۔ مغلیہ سلطنت تقریباً 150 برس نکال گئی۔ سلطنت عثمانیہ بہت سخت جان رہی اور 225 سال میں جا کر ختم ہوئی۔

اس زمانے میں غیر معمولی نوعیت کا علمی و فکری جمود مسلم دنیا پر طاری ہوا جو کہ 656/1258 سے شروع ہو کر 1163/1750 کے لگ بھگ تقریباً 500 سال تک جاری رہا۔ ہم یہاں واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جمود سے ہماری مراد ہر گز یہ نہیں ہے کہ اس زمانے میں کوئی علمی نہیں ہوا۔ اس زمانے میں بھی بڑے بڑے علمی کام ہوئے لیکن سوائے چند مستثنیٰ شخصیات کے، ان میں وہ اوریجنلٹی (Originality) مفقود تھی، جو تہذیبی عروج کے زمانے میں تھی۔ یہی فکری جمود 905/1500 کے لگ بھگ ایک نوعیت کے فکری زوال میں تبدیل ہو گیا۔ 1163/1750 کے بعد امت مسلمہ نے ایک بار پھر انگڑائی لی اور ان کے ہاں فکری بیداری کی تحریکیں شروع ہوئیں جو کہ سیاسی زوال کے دور میں جاری رہیں۔ ان تحریکوں نے امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) میں ایک غیر معمولی کردار ادا کیا، جن کے نتیجے میں امت مسلمہ کے سیاسی زوال کا خاتمہ ہوا اور ایک بار پھر ریکوری (Recovery) کا پراسیس شروع ہوا، جو موجودہ زمانے تک جاری ہے۔ کم و بیش یہی پیٹرن تہذیبی تاریخ یعنی سیاسی نظام، معیشت، معاشرت اور ثقافت میں نمایاں نظر آتا ہے۔

دعوتی میدان میں اس زمانے میں امت مسلمہ نے غیر معمولی کارکردگی دکھائی اور اس اعتبار سے اس دور کو کسی طرح بھی دور جمود یا زوال سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پہلے منگولوں میں اسلام کی زبردست اشاعت ہوئی، پھر وسطی افریقہ اور مشرقی یورپ میں اسلام پھیلا۔ نویں اور دسویں صدی ہجری میں جنوب مشرقی ایشیا اور چین کے علاقوں میں زبردست دعوتی سرگرمیاں ہوئیں۔ سیاسی زوال کے دور میں اسلام کی دعوت کو پھیلانے کے نئے مواقع نکلے اور اسلام کی دعوت مشرق میں جاپان اور کوریا سے لے کر مغرب میں یورپ، شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ تک پھیلتی چلی گئی۔ اس تحریر میں ہم مجموعی طور پر اس زمانے کو "دور جمود و زوال" سیاسی، تہذیبی اور علمی و فکری حوالے سے کہہ رہے ہیں ورنہ دعوتی اعتبار سے یہ دور کسی طرح بھی تہذیبی عروج کے دور سے کم نہیں ہے۔

ادوار کی تقسیم میں ہم نے جو سال بیان کیے ہیں، وہ تقریباً ہی ہیں۔ ان میں آپ آسانی سے بیس تیس سال اوپر نیچے کر سکتے ہیں۔ اس معاملے میں ہمیں ایک مشکل یہ ہوئی ہے کہ تہذیبی اور علمی و فکری جمود اور زوال کا دور 1163/1750 کے لگ بھگ ختم ہو جاتا ہے لیکن عین اسی زمانے میں سیاسی زوال جاری رہتا ہے اور یہ سلسلہ 1342/1924 تک چلتا ہے۔ علمی، فکری اور تہذیبی نشاۃ ثانیہ کا دور 1163/1750 میں شروع ہوتا ہے لیکن اس کے سیاسی اثرات کہیں 200 سال بعد جا کر 1370/1950 کے لگ بھگ سامنے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب کے اس حصے میں ہم سیاسی اور دعوتی اعتبار سے تو 1342/1924 تک کے حالات بیان کر رہے ہیں مگر تہذیبی اور علمی و فکری اعتبار سے یہ سلسلہ 1163/1750 تک محدود کر رہے ہیں۔ اس کے بعد کے حالات ان شاء اللہ اگلے حصے یعنی "نشاۃ ثانیہ کے دور" میں زیر بحث آئیں گے کہ ان کا بیان وہاں پر زیادہ مناسب ہے۔

سیاسی تاریخ کے متعدد ادوار

مغربی مورخین اس دور کو مسلمانوں کے تہذیبی عروج کا دور یا "دور زریں(Golden Age)" کہتے ہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ تہذیبی عروج کا یہ دور دنیاوی اعتبار سے تھا۔ دینی اور اخلاقی اعتبار سے مسلمانوں کی گولڈن ایج دراصل صحابہ کرام ہی کا زمانہ ہے۔ عباسی دور میں دنیاوی ترقی بہت ہوئی اور تہذیب کے ہر شعبے میں ہوئی تاہم دین و اخلاق کے اعتبار سے یہ دور، صحابہ کرام کے دور کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ اس دور کو ہم ان حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

- متعدد سلطنتوں کا دور656-922/1258-1517
- گن پاؤڈرز ایمپائر کا دور عروج922-1112/1517-1700
- سیاسی زوال کا دور1112-1342/1700-1924

اب ہم ان تینوں ادوار کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اس میں سے پہلے دور کی تفصیل ہم اس آرٹیکل میں بیان کریں گے، جبکہ بقیہ دونوں ادوار کی تفصیلات اگلے آرٹیکلز میں آئیں گی۔

عالم اسلام کا مشرقی اور وسطی حصہ

آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ چنگیز خان(r. 570-624/1175-1227) کی قیادت میں منگول، مشرق میں منگولیا کے صحرا سے اٹھے تھے اور عالم اسلام کے مشرقی حصے پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اس وقت یہاں خوارزم شاہی سلطنت-(490-628/1097-1231) قائم تھی جو موجودہ کرغیزستان، تاجکستان، ازبکستان، ترکمانستان، افغانستان اور ایران کے بعض علاقوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ چنگیز کی یلغار سے یہ سلطنت تباہ و برباد ہو گئی۔ شہروں کی پوری پوری آبادیوں کو ذبح کر دیا۔ بعض لوگ بمشکل جان بچا کر ہندوستان کی طرف فرار ہوئے۔ اس کے بعد چنگیز کے پوتے ہلاکو خان نے 650s/1250s میں آگے بڑھ کر ایران، عراق اور شام کے علاقے بھی فتح کر لیے اور یہاں بھی مسلم آبادیوں سے وہی سلوک کیا، جو وہ پہلے مشرق میں کر چکے تھے۔ ہلاکو کے بڑھتے قدم اس وقت رک گئے جب موجودہ فلسطین کے علاقے میں عین جالوت کے مقام پر مصری افواج نے منگولوں کو شکست فاش دی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ منگولوں کو مسلمانوں سے شکست ہوئی تھی۔

چنگیز خان نے مشرق میں چین اور منگولیا سے لے کر مغرب میں یوکرائن تک ایک بڑی سلطنت قائم کی اور مرنے سے پہلے اس سلطنت کو اپنے چار بیٹوں میں تقسیم کر دیا اور انہیں اپنے بڑے بیٹے اوکتائی خان کا ماتحت قرار دے کر اوکتائی کو منگولیا کی حکومت دی۔ چنگیز کی قائم کردہ ان چار سلطنتوں کا نقشہ کچھ یوں تھا۔ مشرق میں اوکتائی خان کی سلطنت تھی جو موجودہ چین،

منگولیا، مشرقی روس اور کوریا پر مشتمل تھی۔ مغربی روس، یوکرائن اور مشرقی یورپ پر جوجی خان کی سلطنت تھی جو گولڈن ہارڈ (Golden Horde) کہلاتی تھی۔ موجودہ مغربی چین، افغانستان، تاجکستان، ازبکستان اور ترکمانستان پر چغتائی خان کی سلطنت قائم ہوئی۔ چوتھی سلطنت ایل خانی سلطنت کہلاتی تھی جو ایران و عراق پر مشتمل تھی۔

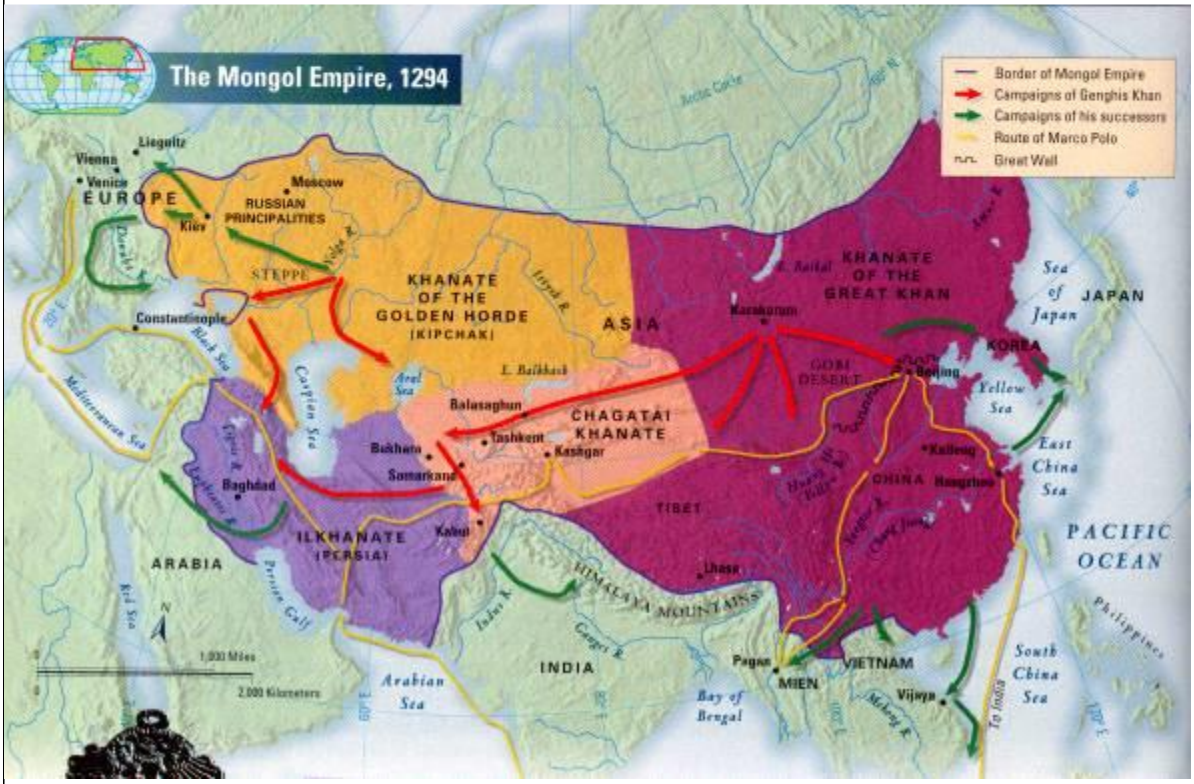

چنگیز خان کے چار بیٹوں کی سلطنتیں۔ بشکریہ: http://russiasperiphery.blogs.wm.edu/central-asia/ (8 Sep 2013)

ابتدائی قتل عام کے بعد منگولوں نے ایک مستحکم حکومت قائم کی، جس میں منگول غالب اور مسلمان مغلوب تھے۔ ان چار میں سے مشرقی سلطنت کو چھوڑ کر بقیہ تین سلطنتوں میں اب بھی مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی موجود تھی۔ منگولوں نے ابتدا میں تو مسلمانوں پر کچھ پابندیاں عائد کیں اور ان سے برا سلوک کیا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کا رویہ مسلمانوں سے نرم ہوتا چلا گیا۔ اس دوران عیسائی، بدھ، یہودی، مجوسی اور مسلم مبلغین نے منگولوں میں دعوت و تبلیغ کا زبردست کام کیا، لیکن سب سے زیادہ کامیابی مسلمانوں ہی کو حاصل ہوئی۔ سب سے پہلے اسلام ان منگولوں میں پھیلا جو کہ موجودہ روس اور یوکرائن کے علاقے پر قابض تھے اور ان کی سلطنت گولڈن ہارڈ (Golden Horde) کہلاتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ چغتائی اور ایل خانی سلطنت میں اسلام پھیلا۔ یہ عمل اس وقت تیز ہوا جب منگول شہزادے قازان خان (r. 694-703/1295-1304) نے اسلام قبول کر لیا۔ آہستہ آہستہ آٹھویں صدی کے وسط تک پہنچتے پہنچتے پوری منگول قوم مسلمان ہو چکی تھی۔ اس کی تفصیل ہم آگے چل کر دعوتی تاریخ میں بیان کریں گے۔

اسی زمانے میں منگولوں کی چاروں سلطنتوں میں آپس میں اختلافات پیدا ہوئے اور ان کے درمیان خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ گرد و نواح کی مسلم ریاستوں سے بھی لڑتے رہے۔ بالآخر مسلم علاقے میں ایل خانی سلطنت متعدد چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔

ایل خانی سلطنت کے خاتمے پر بنو مظفر سامنے آئے اور انہوں نے 735-795/1335-1393 کے دوران مغربی ایران میں اپنی سلطنت قائم کی۔ اس کے بعد تیمور (736-807/1336-1405) نے ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی جو مشرق میں موجودہ پاکستان سے لے کر مغرب میں آرمینیا تک پھیلی ہوئی تھی۔ افغانستان اور ماوراء النہر کے علاقے بھی تیموری سلطنت کا حصہ تھے۔ تیمور اگرچہ مسلمان تھا لیکن ایک ظالم فاتح تھا اور جس شہر کو فتح کرتا، وہاں خون کی ندیاں بہا دینے کا حکم جاری کر دیتا۔ تیموری سلطنت 771/1370 میں قائم ہو کر 932/1526 تک برقرار رہی۔ اسی کی بنیادوں پر صفوی سلطنت قائم ہوئی جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

ہندوستان اور ترکی

آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ 602/1206 میں شہاب الدین غوری کے ہاتھوں ہندوستان میں مسلم سلطنت قائم ہوئی جو کہ منگول حملوں سے محفوظ رہی۔ اسی طرح سلاجقہ کے زوال کے بعد ان کی ایک سلطنت موجودہ ترکی میں قائم رہ سکی تھی اور اسے منگول فتح نہیں کر سکے تھے۔ اسی کی باقیات میں سے ایک ترک عثمان خان نے 699/1299 میں وسطی ترکی میں ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی، جو وقت کے ساتھ ساتھ دنیا کی سب سے بڑی سپر پاور بن کر ابھری اور اس کی حکومت مشرقی یورپ سے لے کر افریقہ تک قائم ہو گئی۔ یہ سلطنت عثمانیہ کہلاتی تھی۔

ہندوستان اور ترکی کی ان سلطنتوں کی مزید تفصیلات آئندہ آئے گی۔

مصر

آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ مصر میں صلاح الدین ایوبی کے خاندان کی حکومت (r. 569-648/1174-1250) قائم ہوئی تھی۔ اس زمانے میں یہ عام رواج تھا کہ غلاموں پر مشتمل افواج تیار کی جاتی تھیں۔ یہ لوگ کہنے کو تو غلام ہوتے تھے مگر سلطنت کے تمام معاملات پر انہی کا کنٹرول ہوتا تھا۔ انہی غلاموں نے 648/1250 میں ایوبی خاندان کے خلاف بغاوت کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ یہ لوگ "مملوک سلاطین" (جمع ممالیک) کہلاتے تھے۔ انہوں نے اپنے اندر ایک جمہوری نظام قائم کیا، جس کے تحت ان غلاموں میں سے بادشاہ کا باقاعدہ انتخاب کیا جاتا تھا۔ ان ممالیک میں سے سب سے نمایاں رکن الدین بیبرس (.r

658-676/1260-1278) تھے، جنہوں نے ہلاکو خان کو شکست دے کر مصر کو ہمیشہ کے لیے منگول حملوں سے محفوظ کر لیا تھا۔

مملوک سلاطین نے ایک اہم کام یہ کیا کہ آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ (r. 639-656/1242-1258) کے ایک چچا مستقر باللہ کو قاہرہ لا کر عباسی خلافت کو از سر نو قائم کیا تا کہ انہیں عالم اسلام میں مرکزیت حاصل ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور کی سیاسی فکر میں اب بھی بنو عباس کو ایک خاص تقدس حاصل تھا اور انہی کو "جائز خلیفہ" تصور کیا جاتا تھا۔ یہ برائے نام خلافت 922/1517 تک قائم رہی۔ حکومت مملوک سلاطین کرتے تھے اور خلیفہ کی حیثیت محض ایک ربڑ اسٹیمپ کی تھی۔ ان مملوک سلاطین میں بعض بہت دیندار سلاطین بھی گزرے ہیں اور بعض ایسے بھی، جو دنیاوی مفادات کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ یہ اس علاقے کی ایک علاقائی سپر پاور کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی طاقت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ 800/1398 کے لگ بھگ تیمور نے مصر پر بھی فوج کشی کی جسے مملوک سلاطین نے ناکام بنا دیا۔

نویں صدی ہجری / پندرہویں صدی عیسوی میں مملوک سلطنت کو زوال آ گیا لیکن یہ دسویں صدی کی ابتدا تک قائم رہی۔ اسی زمانے میں ترکی کے عثمانی سلاطین کو عروج حاصل ہوا۔ بالآخر 922/1517 میں عثمانی سلطان سلیم اول نے ممالیک کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور آخری برائے نام عباسی خلیفہ مستمسک باللہ نے سلطان سلیم کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اس طرح سے عثمانی سلاطین نے ایک بار پھر "خلیفہ" کا ٹائٹل اختیار کیا اور انہیں عالم اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی جو کہ طویل عرصے تک برقرار رہی اور بالآخر 1342/1924 میں جا کر ختم ہوئی۔

شمالی افریقہ

ہمارے زیر مطالعہ دور کے آغاز پر شمالی افریقہ میں موحدین کی سلطنت (r. 515-668/1121-1270) قائم تھی لیکن یہ ساتویں صدی میں زوال پذیر ہوئی اور اس سے متعدد ریاستوں نے جنم لیا اور بالآخر موحدین کی یہ سلطنت مکمل طور پر ختم ہو گئی۔ اس کے بعد شمالی افریقہ میں متعدد چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم ہوئیں، جن کے نام یہ تھے:

- **سلطنت حفصیہ:** یہ سلطنت تیونس میں 625-941/1228-1534 کے درمیان قائم رہی اور بالآخر سلطنت عثمانیہ کا حصہ بن گئی۔
- **سلطنت زیانیہ:** ان کا علاقہ الجیریا تھا اور یہ سلطنت 633-796/1236-1394 کے درمیان قائم رہی اور پھر مرینیہ سلطنت میں ضم ہو گئی۔ بعد میں اس کے بعض علاقے سلطنت عثمانیہ کے تحت آ گئے۔
- **سلطنت مرینیہ:** یہ ایک چھوٹی سی خود مختار ریاست تھی جو مراکش میں 591/1195 میں قائم ہوئی لیکن انہوں نے

627/1230 میں موحدین کے دار الحکومت مراکش شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد یہ سلطنت 869/1465 تک قائم رہی۔

- **سلطنت وطاسیہ:** یہ سلطنت 869-961/1465-1554 کے درمیان مراکش ہی میں قائم رہی۔
- **سلطنت سعدیہ:** اسی علاقے میں یہ سلطنت 961-1069/1554-1659 کے درمیان قائم رہی۔ اس کے زوال کے بعد مراکش کے کچھ حصے سلطنت عثمانیہ کا حصہ بن گئے، کچھ حصوں پر علوی سلطنت قائم ہوئی اور کچھ حصوں پر اسپین کے عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا۔
- **سلطنت علویہ:** یہ سلطنت 1041/1631 میں قائم ہوئی اور آج تک علوی سلطان ہی مراکش پر حکومت کر رہے ہیں۔

اس طرح سے ہمارے زیر مطالعہ دور میں شمالی افریقہ پر متعدد خاندانوں نے حکومت کی اور آخر میں ان میں سے اکثر علاقوں پر ترکی کے عثمانی سلاطین کی حکومت قائم ہوئی۔ یہ سلسلہ سلطنت عثمانیہ کے زوال تک جاری رہا۔

اسپین

اسپین میں مسلمانوں کی بقیہ تاریخ نہایت ہی عبرت ناک ہے۔ یہاں پر مسلمانوں نے 92-897/712-1492 کے درمیان تقریباً 800 سال حکومت کی۔ بنو امیہ (r. 138-422/756-1031)، مرابطین (r. 453-551/1061-1156) اور پھر موحدین (541-626/1147-1229) کی مستحکم سلطنتیں یہاں قائم رہیں۔ بیچ میں ایسے ادوار بھی آئے، جب متعدد چھوٹی موٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ان ادوار کو "طوائف الملوکی" کا دور کہا جاتا ہے جس میں حکومت کسی ایک گروپ کے ہاتھ میں نہیں رہتی تھی بلکہ مسلسل ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی تھی۔

موحدین کی سلطنت کے زوال کے بعد طوائف الملوکی کا ایسا دور آیا، جو تقریباً 250 برس تک رہا۔ موحدین کے بعد مسلمان اسپین کے صرف نصف جنوبی حصے تک محدود ہو چکے تھے اور شمالی اسپین پر عیسائیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس دوران اس نصف اسپین میں بھی مسلمانوں کی متعدد ریاستیں قائم ہوئیں۔ یہ حکمران اقتدار کے لیے ایک دوسرے سے لڑتے رہے اور اس معاملے میں شمالی اسپین، فرانس اور پرتگال کے عیسائی سلاطین سے بھی ایک دوسرے کے خلاف مدد لیتے رہے۔ خانہ جنگیوں کا یہ طویل سلسلہ جاری رہا اور پھر اسپین میں کوئی مستحکم حکومت قائم نہیں ہو سکی۔ 636/1239 میں قرطبہ (Cordoba)، جو اب تک اسپین میں مسلمانوں کا دار الحکومت تھا، ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ اسپین کے مختلف علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلتے رہے اور بالآخر ان کی حکومت صرف جنوب مشرقی علاقوں میں محدود رہ گئی، جس کا دار الحکومت غرناطہ (Granada) تھا۔

مسلمانوں اور عیسائیوں میں اسپین پر قبضے کی چپقلش چلتی رہی۔ 719/1319 میں ایک عظیم جنگ ہوئی جو معرکہ البسیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں 100,000 عیسائی مارے گئے اور اسپین میں مسلمانوں کی حکومت کو مزید طول حاصل ہو گیا۔ مسلم عیسائی جنگوں کا یہ سلسلہ مزید ڈیڑھ صدی تک چلتا رہا۔ نویں صدی میں اسپین اور پرتگال کے علاقوں کی دو سلطنتوں قسطلہ اور ارغون کا اتحاد ہو گیا اور ایک بڑی عیسائی ریاست وجود میں آئی۔ یہ اتحاد ایک شادی کے نتیجے میں ہوا جو قسطلہ کے بادشاہ فرڈی نینڈ اور ارغون کی شہزادی ازابیلا کے درمیان ہوئی۔ 887/1482 میں ایک اور بڑی جنگ ہوئی جس میں فرڈی نینڈ اور ازابیلا کی مشترکہ افواج کو غرناطہ کے مسلم سلطان ابو الحسن نے شکست دی لیکن اس کے فوراً بعد ان کے بیٹے ابو عبد اللہ نے باپ کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس کا فائدہ عیسائیوں کو ہوا اور وہ یکے بعد دیگرے مسلم شہروں کو فتح کرتے چلے گئے۔ جس شہر کو انہوں نے فتح کیا، وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ گویا، 250 برس پہلے جو کچھ منگولوں نے مسلمانوں سے کیا تھا، وہی اب اسپین میں دوہرایا گیا۔ بالآخر 896/1492 میں عیسائیوں نے غرناطہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے سے تنگ آ کر مسلمانوں نے صلح کی اور اس طرح سے 897/1492 میں آخری مسلم سلطنت کا اسپین میں خاتمہ ہو گیا۔

عیسائیوں نے صلح کی تمام شرائط کو بالائے طاق رکھا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کیے۔ 904/1499 میں یہ حکم جاری کیا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ عیسائیت قبول کر لے۔ بعض لوگوں نے ایسا کر لیا لیکن بہت سے مسلمان شہروں سے نکل گئے۔ اس کے بعد بہت سے مسلمانوں کو جلاوطن کر کے افریقہ بھیجا گیا لیکن ان کے جہازوں کو راستے میں ڈبو دیا گیا۔ اسپین میں ایک بھی مسلمان کو باقی نہ رہنے دیا گیا۔ بعض نے عیسائیت قبول کر لی، بعض نے جان دے دی اور بعض بچ کر شمالی افریقہ میں پناہ گزین بنے۔[2]

جاری۔۔

[2] اس باب کی زیادہ تر تفصیلات اکبر شاہ خان نجیب آبادی صاحب کی تاریخ اسلام، جلد دوم سے ماخوذ ہیں۔

درس قرآن کریم

خضر حمید

دنیا میں بہت سے دانشور پیدا ہوئے اور بے شمار کتابیں لکھی گئیں، جو وقت کے ساتھ مقبول رہیں مگر اکثر ختم ہو گئیں۔ مگر قرآن مجید ہر حرف اور ہر آیت کے ساتھ آج بھی زندہ ہے، ہر دور کے انسان کی رہنمائی کرتا ہے، اور حق و باطل کو تمیز کرنے والا فرقان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن سب سے زیادہ اہم اور جاوید کتاب ہے۔

سورۃ البقرۃ کی کچھ آیات کی عام فہم انداز میں تفسیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب 622CE میں مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو پرانی امت مسلمہ بنی اسرائیل سے ملاقات ہوئی، اس کے ساتھ ہی مدینہ منورہ میں نئے لوگ ایمان لا رہے تھے اور انہیں انصار یعنی مددگار کہا جانا چاہیے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ نازل فرمائی جس میں پہلے پرانی امت مسلمہ بنی اسرائیل کی تاریخ میں ان کی غلطیاں بتا کر دعوت دی کہ آخری نبی پر ایمان لائیں۔ جو لوگ ایمان آئے ان کی تعمیر شخصیت اور دینی شریعت کے احکامات نازل ہوئے ہیں۔

قرآنی آیات	ترجمہ: محمد مبشر نذیر صاحب
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ(8)	انہی لوگوں میں سے وہ (منافقین) بھی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے (فائنل رزلٹ والے دن پر ایمان لائے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی بری نیت کی وجہ سے) وہ ایمان نہیں لا سکتے ہیں۔
يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ(9)	وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان دونوں کو فراڈ کرنا چاہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ ہی کو فراڈ کر رہے ہیں، لیکن اس کا شعور نہیں سمجھ رہے ہیں۔
فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ(10) البقرہ:8-10)	ان کے دلوں میں (حسد کی نفسیاتی بیماری تھی تو اللہ تعالیٰ نے اب ان کی بیماری کو مزید بڑھنے دیا ہے کیونکہ ان کے اس جرم کی پاداش میں وہ جھوٹ بولتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان کے لیے بھی بڑا دردناک عذاب تیار ہے۔

عام فہم تفسیر: خضر حمید

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کلیئر کر دیا ہے کہ ہدایت کا اصول یہی ہے کہ جو لوگ مخلص ہیں تو انہیں ہدایت مل جاتی ہے۔ جو جذباتی طور پر اپنے تعصب اور اپنے لیڈرز کے نفسیاتی غلام بنتے ہیں تو ہدایت میں انہیں دلچسپی نہیں ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کھلے منکرین یا منافقین بننے دیا ہے۔ اب بھی آپشن موجود ہے کہ اگر ان کی نیت درست ہو جائے تو وہ ہدایت حاصل کر کے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

قرآن ہمیں انسان کی ایک ایسی نفسیاتی کیفیت سے آگاہ کرتا ہے جس میں انسان زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن اس کے دل میں ایمان کی حقیقی کیفیت موجود نہیں ہوتی۔ وہ اہل ایمان کے درمیان اپنی ایک مذہبی شناخت قائم کر کے دنیاوی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایسے انسان کا مسئلہ صرف یہ نہیں کہ وہ دوسروں سے جھوٹ بول رہا ہے، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہے۔ انسان لوگوں سے اپنی حقیقت چھپا سکتا ہے، لیکن اللہ سے اپنی حقیقت نہیں چھپا سکتا۔ اس لیے ہمیں ان آیات کو صرف دوسروں پر لاگو نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے اندر بھی دیکھنا چاہیے کہبلکہ اپنے اندر بھی دیکھنا چاہیے کہ کہیں ہمارا ایمان صرف زبان تک تو محدود نہیں؟ کیا اللہ اور آخرت کا یقین ہماری سوچ، کردار اور فیصلوں پر اثر انداز ہو رہا ہے؟

قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ انسان جب مسلسل جھوٹ، فریب، تعصب اور مفاد پرستی کو اختیار کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک بیماری پیدا ہو جاتی ہے، اور اگر وہ اس بیماری کی اصلاح نہ کرے تو وہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہاں دل کی بیماری سے مراد ایسی اندرونی خرابی ہے جو انسان کو حق قبول کرنے سے روکتی ہے۔ مثلاً انسان کو حقیقت معلوم ہو جائے، لیکن وہ صرف اس لیے اسے قبول نہ کرے کہ اس سے اس کا مفاد متاثر ہوتا ہے، اس کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے یا اس کے پسندیدہ شخص اور گروہ کی مخالفت ہوتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کو رک کر اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے: میں حق کو تلاش کر رہا ہوں یا صرف اپنی بات کو درست ثابت کرنا چاہتا ہوں؟

ان آیات کا اصل مقصد ہمیں دوسروں کو منافق قرار دینا نہیں بلکہ اپنے کردار کی اصلاح کرنا ہے۔ کامیاب انسان وہ ہے جو حق سامنے آنے پر اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہو، اپنی غلطی تسلیم کرے، اپنے تعصبات سے اوپر اٹھے اور اللہ سے ہدایت طلب کرے۔ دنیا میں دھوکا دے کر انسان شاید کچھ وقتی فائدہ حاصل کر لے، لیکن آخرت کے حقیقی انجام سے نہیں بچ سکتا۔ اس لیے عقل مند انسان کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ وقتی فائدے کے لیے اپنے آپ کو دھوکا نہیں دے گا۔ وہ سچائی کو تلاش کرے گا، حق کو قبول کرے گا اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنانے کی کوشش کرے گا۔ یہی حقیقی کامیابی کی طرف پہلا قدم ہے۔ کہیں ہمارا ایمان صرف زبان تک تو محدود نہیں؟ کیا اللہ اور آخرت کا یقین ہماری سوچ، کردار اور فیصلوں پر اثر انداز ہو رہا ہے؟ قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ انسان جب مسلسل جھوٹ، فریب، تعصب اور مفاد پرستی کو اختیار کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک بیماری پیدا

ہو جاتی ہے، اور اگر وہ اس بیماری کی اصلاح نہ کرے تو وہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہاں دل کی بیماری سے مراد ایسی اندرونی خرابی ہے جو انسان کو حق قبول کرنے سے روکتی ہے۔ مثلاً انسان کو حقیقت معلوم ہو جائے، لیکن وہ صرف اس لیے اسے قبول نہ کرے کہ اس سے اس کا مفاد متاثر ہوتا ہے، اس کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے یا اس کے پسندیدہ شخص اور گروہ کی مخالفت ہوتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کو رک کر اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے: میں حق کو تلاش کر رہا ہوں یا صرف اپنی بات کو درست ثابت کرنا چاہتا ہوں؟

ان آیات کا اصل مقصد ہمیں دوسروں کو منافق قرار دینا نہیں بلکہ اپنے کردار کی اصلاح کرنا ہے۔ کامیاب انسان وہ ہے جو حق سامنے آنے پر اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہو، اپنی غلطی تسلیم کرے، اپنے تعصبات سے اوپر اٹھے اور اللہ سے ہدایت طلب کرے۔ دنیا میں دھوکا دے کر انسان شاید کچھ وقتی فائدہ حاصل کر لے، لیکن آخرت کے حقیقی انجام سے نہیں بچ سکتا۔ اس لیے عقل مند انسان کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ وقتی فائدے کے لیے اپنے آپ کو دھوکا نہیں دے گا۔ وہ سچائی کو تلاش کرے گا، حق کو قبول کرے گا اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنانے کی کوشش کرے گا۔ یہی حقیقی کامیابی کی طرف پہلا قدم ہے۔

کیا قرآن انسانی تصنیف ہو سکتا ہے؟

قرآن کی پیش گوئیوں کی روشنی میں ایک علمی مطالعہ

طلحہ خضر

قرآن مجید خود کو اللہ تعالیٰ کا کلام قرار دیتا ہے۔ اگر یہ واقعی اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے تو اس میں ایسی نشانیاں ہونی چاہییں جو انسان کو اس کی حقانیت پر غور کرنے پر مجبور کریں۔ انہی نشانیوں میں ایک اہم پہلو قرآن کی پیش گوئیاں ہیں۔ یہ وہ خبریں ہیں جو قرآن نے پہلے بیان کیں اور بعد میں تاریخ نے ان کی تصدیق کی۔ البتہ ملحدین اور بعض مستشرقین ان پیش گوئیوں پر مختلف اعتراضات بھی کرتے ہیں۔ ایک طالبِ علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اعتراضات کے ساتھ ساتھ ان کے جوابات بھی جاننے کی کوشش کرے۔

1۔ رومیوں کی دوبارہ فتح

جب سورۂ روم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو رومی سلطنت فارسیوں کے ہاتھوں بدترین شکست کھا چکی تھی۔ یروشلم پر قبضہ ہو چکا تھا اور لوگ سمجھتے تھے کہ رومی سلطنت اب ختم ہو جائے گی۔ ایسے حالات میں قرآن نے اعلان کیا: "رومی شکست کھا چکے ہیں، لیکن اپنی اس شکست کے چند سال بعد وہ غالب آ جائیں گے۔" (سورۃ روم: 2–4) چند ہی برس بعد رومی بادشاہ ہرقل نے فارسیوں کو مسلسل شکستیں دیں اور بالآخر اپنی سلطنت بحال کر لی۔

اعتراض: ملحدین کہتے ہیں کہ یہ صرف ایک سیاسی اندازہ (Political Guess) تھا۔

جواب: یہ اعتراض کئی وجوہ سے کمزور ہے۔

- ✓ اس وقت تقریباً تمام حالات رومیوں کے خلاف تھے۔
- ✓ قرآن نے صرف فتح کی بات نہیں کی بلکہ "بضع سنین" (تین سے نو سال) کی مدت بھی بیان کی۔
- ✓ اگر پیش گوئی غلط ثابت ہوتی تو قرآن کے مخالفین اسے فوراً جھٹلانے کے لیے استعمال کرتے مگر تاریخ نے اس کے برعکس گواہی دی۔

2۔ ابولہب کے ایمان نہ لانے کی پیش گوئی

سورۂ مسد میں ابولہب کے بارے میں واضح اعلان کیا گیا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا اور اپنے کفر پر مرے گا۔ اس کے بعد بھی ابولہب کئی سال زندہ رہا۔

اعتراض: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابولہب ضدی تھا اس لیے ایمان نہ لانا کوئی حیرت کی بات نہیں۔

جواب: اصل سوال یہ ہے کہ اگر قرآن انسانی تصنیف ہوتا تو اتنا قطعی دعویٰ کرنا بہت بڑا خطرہ تھا۔ ابو لہب صرف زبان سے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیتا تو مخالفین کہتے کہ قرآن کی پیش گوئی غلط ثابت ہو گئی۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔

3۔ قرآن کی حفاظت

قرآن نے اعلان کیا: "بے شک ہم نے ہی یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" (سورۃ الحجر: 9) آج چودہ سو سال بعد بھی قرآن دنیا کی واحد مذہبی کتاب ہے جو اپنے اصل عربی متن کے ساتھ مسلسل محفوظ چلی آرہی ہے۔

اعتراض: ملحدین کہتے ہیں کہ یہ حفاظت انسانوں نے کی ہے، اس میں معجزہ کیا ہے؟

جواب: قرآن یہ نہیں کہتا کہ حفاظت انسانوں کے بغیر ہو گی بلکہ مسلمان سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں ہی کو اس حفاظت کا ذریعہ بنایا۔ لاکھوں حفاظ، ابتدائی کتابت، متعدد نسخے اور امت کا مسلسل اجتماعی اہتمام اسی وعدے کے ظاہری اسباب ہیں۔

4۔ مکہ میں امن کے ساتھ داخل ہونے کی خبر

صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کو بظاہر ناکامی محسوس ہو رہی تھی۔ اسی وقت قرآن نے فرمایا: "تم ضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے۔" (سورۃ الفتح: 27) بعد میں مسلمان نہ صرف عمرہ کرنے گئے بلکہ مکہ بھی فتح ہو گیا۔

اعتراض: کہا جاتا ہے کہ یہ تو ایک امید یا خواہش تھی۔

جواب: قرآن نے اسے خواہش کے انداز میں نہیں بلکہ ایک یقینی خبر کے طور پر بیان کیا جبکہ اس وقت حالات اس کے برعکس تھے۔

5۔ اسلام کے غلبے کی پیش گوئی

قرآن نے فرمایا کہ اللہ اپنے دین کو دوسرے ادیان پر غالب کرے گا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ سخت مخالفت کا سامنا کر رہے تھے۔ چند دہائیوں کے اندر اسلام عرب سے نکل کر وسیع خطوں تک پہنچ گیا۔

اعتراض: کہا جاتا ہے کہ یہ سب فوجی فتوحات کی وجہ سے ہوا۔

جواب: یہ اعتراض اصل پیش گوئی کا جواب نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک کمزور اور مظلوم جماعت کے بارے میں یہ یقین کے ساتھ خبر دینا کہ وہ غالب آئے گی، اس وقت انسانی اندازے سے بہت بعید تھا۔ بعد میں یہی خبر تاریخی طور پر پوری ہوئی۔ مزید یہ کہ اسلام کا پھیلاؤ صرف فتوحات سے نہیں ہوا بلکہ تجارت، دعوت، علمی روایت اور اخلاقی اثر کے ذریعے بھی اسلام دنیا کے وسیع علاقوں تک پہنچا۔

نتیجہ

قرآن کی پیش گوئیوں کو الگ الگ دیکھنے کے بجائے مجموعی طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ رومیوں کی فتح، ابو لہب کا انجام، قرآن کی حفاظت، مکہ کی فتح اور اسلام کے غلبے جیسی پیش گوئیاں اس وقت بیان ہوئیں جب ان کے ظاہری امکانات نہایت کم تھے، لیکن بعد میں تاریخ نے ان کی تکمیل دیکھی۔ یہ پیش گوئیاں قرآن کے دوسرے دلائل جیسے توحید، فطرت، عقل، اخلاق، اور وحی کے ساتھ مل کر ایک جامع استدلال پیش کرتی ہیں۔ اسی لیے قرآن بار بار انسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ تعصب کے بجائے غور و فکر کرے، شواہد کا جائزہ لے اور پھر انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔

ربیع الاول—ایک خوش خبری

مریم فاطمہ

میرا دل چاہتا ہے کہ سب کو بتاؤں، بچے بچے کو بتاؤں، جن و انس کو بتاؤں، زمین و آسمان میں اعلان کروں کہ ہمارے آخری نبی محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے تھے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ذرّے ذرّے کو یہ پیغام دوں، صبا سے کہوں جھوم کر چلو، پھولوں سے کہوں اپنی تمام خوشبوئیں بکھیر دو؛ کیونکہ آج وہ دن ہے جب ظلمتوں کو مٹانے والے، رحمتِ عالم ﷺ اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔ ہر بیٹی کو بتاؤں، ہر ماں کو بتاؤں، ہر مظلوم کو بتاؤں کہ وہ ہستی تشریف لائی جس نے انسان کو انسانیت کا شعور دیا، کمزور کو سہارا دیا، مظلوم کو امید دی اور دلوں کو اللہ سے جوڑ دیا۔

میری روح ان کے ذکر سے تر ہونا چاہتی ہے، میرا دل ان کی محبت میں ڈوبنا چاہتا ہے اور میری زندگی ان کی سیرت کی گواہی دینا چاہتی ہے۔ مگر محبتِ رسول ﷺ صرف جذبات، الفاظ اور نعروں کا نام نہیں۔ محبت کا اصل ثبوت کردار ہے۔ اگر زبان پر محمد ﷺ کا ذکر ہو مگر ہمارے معاملات میں سچائی نہ ہو، ہمارے رویوں میں رحمت نہ ہو اور ہمارے کردار میں اخلاقِ نبوی ﷺ نہ ہوں تو ہمیں اپنے دعوائے محبت پر ضرور غور کرنا چاہیے۔

اس لیے 12 ربیع الاول صرف خوشی کا دن نہیں، اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے آئینے میں دیکھنے کا دن بھی ہے۔ آیئے عہد کریں کہ ہم اپنے نبی ﷺ کا ذکر صرف زبان سے نہیں کریں گے، بلکہ ان کی رحمت، ان کا عدل، ان کی محبت اور ان کے اخلاق کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں گے۔۔ تاکہ ہماری زندگی خود یہ اعلان بن جائے کہ ہم محمد ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔

بدگمانی، ذہنی وسوسے اور معاشرتی اعتماد

خضر حمید

رسول اللہ ﷺ کی سیرت صرف عبادات اور انفرادی نیکیوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ انسانی نفسیات اور معاشرتی تعلقات کے بارے میں بھی گہری رہنمائی فراہم کی ہے۔ آپ ﷺ نے انسان کو صرف برے کاموں سے نہیں روکا، بلکہ ایسے حالات سے بھی بچنے کی تعلیم دی جن سے غلط فہمی، بدگمانی یا بے بنیاد شک پیدا ہو سکتا ہو۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف میں تھے۔ وہ رات کے وقت آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے آئیں۔ گفتگو کے بعد جب وہ واپس جانے لگیں تو رسول اللہ ﷺ انہیں ان کے گھر تک چھوڑنے کے لیے ساتھ چل پڑے۔ راستے میں دو انصاری صحابہ نے آپ ﷺ کو دیکھا۔ وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر آگے بڑھنے لگے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں آواز دے کر فرمایا کہ ٹھہرو، میرے ساتھ صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

وہ دونوں صحابہ حیران ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا ہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی خیال نہ ڈال دے۔

یہ واقعہ ہمیں انسانی نفسیات کا ایک نہایت اہم اصول سمجھاتا ہے۔ کبھی انسان کے دل میں کسی واقعے کو دیکھ کر ایسا خیال پیدا ہو سکتا ہے جس کی حقیقت سے اسے مکمل واقفیت نہ ہو۔ اگر اس خیال کو تحقیق کے بغیر قبول کر لیا جائے تو معمولی سی بات بدگمانی، الزام اور پھر تعلقات کی خرابی کا سبب بن سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں صحابہؓ کی نیت پر شک نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں کسی جرم کا مرتکب بھی قرار نہیں دیا۔ بلکہ آپ ﷺ نے ایک ایسی ممکنہ غلط فہمی کا راستہ ہی بند کر دیا جو مستقبل میں ان کے ذہن میں پیدا ہو سکتی تھی۔

یہی نبوی حکمت ہے۔ مسئلہ پیدا ہونے کے بعد صفائی دینے کے بجائے بعض اوقات پہلے ہی غلط فہمی کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ ہر خیال حقیقت نہیں ہوتا۔ آج کے دور میں یہ تعلیم پہلے سے کہیں زیادہ اہم محسوس ہوتی ہے۔ سوشل میڈیا پر ہم روزانہ ایسی تصاویر، ویڈیوز، مختصر پیغامات اور آدھی ادھوری معلومات دیکھتے ہیں جن کا پس منظر ہمیں معلوم نہیں ہوتا۔ ایک تصویر دیکھی، ایک جملہ پڑھا، کسی شخص کو کسی کے ساتھ دیکھا اور فوراً اپنے ذہن میں ایک کہانی بنا لی۔

حالانکہ حقیقت اس سے بالکل مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ اسلام انسان کو یہ ذہنی تربیت دیتا ہے کہ جو کچھ دکھائی دے، ضروری نہیں کہ اس کی پوری حقیقت بھی وہی ہو جو ہمیں پہلی نظر میں محسوس ہوئی ہے۔

اسی لیے قرآن مجید بھی خبر کی تحقیق کی تعلیم دیتا ہے اور بدگمانی سے بچنے کی ہدایت کرتا ہے۔

اپنی صفائی دینا کمزوری نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انسان اپنے کسی عمل کی وضاحت کرے تو گویا وہ لوگوں سے خوف زدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ واقعہ اس سوچ کی اصلاح کرتا ہے۔ کبھی وضاحت کرنا اپنی عزت بچانے کے لیے نہیں بلکہ دوسرے انسان کے ذہن کو غلط فہمی سے بچانے کے لیے ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی، مگر آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی۔ اس میں امت کے لیے ایک بڑا سبق ہے: ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کریں جس سے بلاوجہ لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہو، اور اگر کوئی غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہو تو حکمت کے ساتھ اسے دور کر دیں۔

آج ہمیں اس حدیث کی ضرورت کیوں ہے؟

آج ہمارے معاشرے میں بہت سے اختلافات حقیقت سے زیادہ غلط فہمیوں کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے دوسرے کے بارے میں کچھ سن لیا، تحقیق نہیں کی، پھر کسی تیسرے شخص کو بتا دیا۔ تیسرے نے اسے مزید بڑھا کر بیان کر دیا۔ یوں ایک معمولی بات الزام بن جاتی ہے اور الزام دشمنی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس پورے عمل میں شیطان کا کردار یہی ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کے ذہن میں ایک امکان کو حقیقت کا روپ دے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے ذہن کو ہر خیال کا غلام نہ بنائیں۔ خیال آ جانا گناہ نہیں، لیکن ہر خیال کو حقیقت سمجھ لینا خطرناک ہو سکتا ہے۔

نبوی تعلیم کا ایک جامع اصول

اس واقعے سے ایک خوبصورت معاشرتی اصول سامنے آتا ہے۔ اپنے عمل میں شفافیت پیدا کریں، دوسروں کے بارے میں حسنِ ظن رکھیں، خبر کی تحقیق کریں اور ایسی صورتِ حال سے بچیں جو بلاوجہ بدگمانی کو جنم دے۔ یہی وہ اخلاقی شعور ہے جس سے خاندان مضبوط ہوتے ہیں، دوستیاں محفوظ رہتی ہیں اور معاشرے میں اعتماد قائم ہوتا ہے۔ شیطان کا ذکر صرف کسی غیبی دشمن کے تصور تک محدود نہیں؛ اس حدیث کی عملی تعلیم ہمیں یہ بھی سمجھاتی ہے کہ انسان کو اپنے خیالات، گمان، جذبات اور فوری فیصلوں کے بارے میں محتاط رہنا چاہیے۔ کیونکہ بعض اوقات فساد کسی بڑے واقعے سے نہیں، بلکہ ایک چھوٹے سے غلط خیال سے شروع ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف برائی سے بچنے کی تعلیم نہیں دی، بلکہ برائی تک پہنچانے والے راستوں کو بھی بند کرنے کی تربیت دی۔

دیواروں پر لگی گھڑیاں اور رُکتا ہوا وقت

فاطمۃ الزہراء

دیوار پر لگی گھڑی مسلسل چلتی رہتی ہے۔ اس کی سوئیاں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکتی ہوتیں۔ وہ خاموشی سے اپنا سفر جاری رکھتی ہیں اور ہمیں بتاتی رہتی ہیں کہ وقت گزر رہا ہے۔ مگر زندگی میں کچھ لمحے ایسے بھی آتے ہیں جب گھڑی تو چل رہی ہوتی ہے، لیکن وقت جیسے ٹھہر جاتا ہے۔

کبھی کسی اپنے کی جدائی میں، کبھی کسی خواب کے بکھر جانے پر، کبھی کسی خواہش کے ادھورا رہ جانے پر انسان محسوس کرتا ہے کہ وقت نے اپنا سفر روک دیا ہے۔ دن گزرتے ہیں، راتیں ڈھلتی ہیں، موسم بدلتے ہیں، مگر دل ایک ہی لمحے میں قید رہ جاتا ہے۔ ایک ایسا لمحہ جو بار بار یادوں کے دریچے پر دستک دیتا ہے اور انسان کو ماضی کی گلیوں میں لے جاتا ہے۔

گھڑیاں وقت کو ناپ سکتی ہیں، لیکن احساسات کو نہیں۔ وہ بتا سکتی ہیں کہ کتنے گھنٹے گزر گئے، مگر یہ نہیں بتا سکتیں کہ کسی انتظار کی ایک رات کتنی طویل ہوتی ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتیں کہ کسی مسکراہٹ کے پیچھے کتنی اداسیاں چھپی ہوتی ہیں یا کسی خاموش شخص کے دل میں کتنے طوفان برپا ہوتے ہیں۔

آج کے دور میں ہر شخص وقت کی کمی کا شکوہ کرتا ہے۔ ہر کوئی مصروف ہے، ہر کوئی بھاگ رہا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وقت کم نہیں ہوا، بلکہ ہم نے وقت کو محسوس کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ہم گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ تو چل رہے ہیں، مگر زندگی کے اصل معنی کہیں پیچھے رہ گئے ہیں۔ رشتوں کے لیے وقت نہیں، کتابوں کے لیے وقت نہیں، خود سے ملاقات کے لیے وقت نہیں۔ ہم وقت بچانے کی کوشش میں زندگی ہی کھو رہے ہیں۔

کبھی پرانے گھروں کی دیواروں پر لگی گھڑیاں صرف وقت نہیں بتاتی تھیں بلکہ گھر کی رونق کا حصہ ہوتی تھیں۔ ان کی ٹک ٹک میں زندگی کی آواز سنائی دیتی تھی۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے، باتیں کرتے، ہنستے، اپنے دکھ سکھ بانٹتے۔ آج گھڑیاں جدید ہو گئی ہیں، مگر وقت پہلے سے زیادہ بے روح محسوس ہوتا ہے۔

زندگی کا سب سے بڑا المیہ شاید یہی ہے کہ ہم وقت کی قدر اس وقت کرتے ہیں جب وہ ہمارے ہاتھوں سے پھسل چکا ہوتا ہے۔ ہم اکثر ماضی کے کسی خوشگوار لمحے کو یاد کر کے سوچتے ہیں کہ کاش وقت وہیں رک جاتا۔ مگر وقت کا حسن ہی اس کے سفر میں ہے۔ اگر وقت رک جائے تو زندگی بھی رک جائے گی۔

دیواروں پر لگی گھڑیاں ہمیں روز ایک خاموش سبق دیتی ہیں۔ وہ سکھاتی ہیں کہ سفر جاری رکھنا ہی زندگی ہے۔ دکھ ہوں یا خوشیاں، کامیابیاں ہوں یا ناکامیاں، ہر لمحہ گزر جانا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم وقت کو صرف گھڑی کی سوئیوں میں نہ ڈھونڈیں بلکہ اپنے رشتوں، خوابوں، دعاؤں اور مسکراہٹوں میں بھی تلاش کریں۔

کیونکہ بعض اوقات دیواروں پر لگی گھڑیاں چلتی رہتی ہیں، مگر اصل وقت ہمارے دلوں میں رُک جاتا ہے۔

آخرکار سمجھ آتا ہے کہ وقت کبھی نہیں رکتا، رکتے تو ہم ہیں۔ کسی یاد کے دروازے پر، کسی خواب کے ملبے میں، کسی مسکراہٹ کی بازگشت میں۔ دیواروں پر لگی گھڑیاں اپنی ٹک ٹک سے ہمیں آگے بڑھنے کا درس دیتی ہیں، مگر دل ہے کہ بعض اوقات ایک لمحے کو پوری عمر بنا لیتا ہے۔ اور پھر عمر بھر ہم چلتی ہوئی گھڑیوں کے درمیان ایک رُکے ہوئے وقت کو اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں ۔۔۔ !

انسانی ذہن اور وجود الہی

ڈاکٹر محمد عقیل

دنیا کے تمام مذاہب میں خدا کا تصور موجود ہے۔ خدا سے تعلق قائم کرنے کے لیے عبادت کی جاتی ہے۔ اگر مشرکانہ مذاہب کی عبادت کو دیکھا جائے تو وہ خدا کا بت، تصویر یا پتلا سامنے رکھ کر اسے خدا سمجھتے ہیں اور یہ تمام مراسم عبودیت ادا کرتے ہیں۔ اس سے اگلا درجہ مراقبے کا ہے۔ اس میں خدا کو سامنے تو نہیں رکھا جاتا البتہ اس کے کسی تصور کو فوکس کر کے اس سے تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ یہ تصور کسی بت کا بھی ہو سکتا ہے اور کسی اور شے کا بھی۔

اس کے بعد یہودیت، عیسائیت اور اسلام آتے ہیں۔ عیسائیت میں حضرت عیسی و مریم علیہما السلام کے مجسمے سامنے رکھ کر ان سے قربت کا اظہار کیا جاتا اور خدا کے نزولی تصور کو اپنی سوچوں میں بسایا جاتا ہے۔ یہودیت و اسلام میں بت پرستی کی اجازت نہیں۔ البتہ دونوں مذاہب میں بھی تجسیم اور علامات کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ مثال کے طور پر یہودیت میں ماضی میں تابوت سکینہ کو سامنے رکھ کر عبادت کی جاتی اور آگ جلائی جاتی تھی جبکہ حال میں یہی اہمیت دیوار گریہ کو حاصل ہے۔

دوسری جانب اسلام میں بھی ایسے شعائر یا علامات موجود ہیں جن کو مذہبی تقدس حاصل ہے۔ مثال کے طور پر خانہ کعبہ کو خدا کے گھر اور حجر اسود کو خدا کے ہاتھ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ صفا و مروہ، منی عرفات، مزدلفہ، قرآن پاک اور عام مساجد بھی شعائر یعنی اللہ کی نشانیوں میں شامل ہیں اور ان کی تعظیم کا حکم ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں ماضی کے مذاہب میں ہر دوسرا مذہب بتوں کی شکل میں تجسیم کا قائل رہا؟ اور ایسا کیوں ہوا کہ اسلام نے بھی بت پرستی کے خاتمے کے باوجود ایک پتھر کی عمارت (خانہ کعبہ) کی جانب سجدہ کرنے، اور ایک پتھر (حجر اسود) کو چومنے یا اس کو خدا کا ہاتھ تعبیر کرنے کا حکم دیا؟ یا صفا مروہ کی پہاڑیوں کو مذہبی تقدس دیا۔ اسی طرح قرآن میں جگہ جگہ خدا کی نشانیوں پر غور کرنے کا حکم ہے جن میں زمین، چاند، سورج، ستارے، پہاڑ، دریا، سمندر، چرند پرند اور دیگر مخلوقات موجود ہیں؟ اس کا جواب ہمیں جدید سائنس سے ملتا ہے۔

جدید سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ہمارے دماغ کے دو حصے ہیں ایک دایاں یا رائٹ برین اور دوسرا بایاں یا لیفٹ برین۔ رائٹ برین جذبات، تصورات اور خیالات کا حصہ ہے جبکہ لیفٹ برین لاجک اور حساب کتاب کا حصہ ہے۔ دونوں حصوں کا کام کرنے کا طریقہ کار مختلف ہے۔ رائٹ برین جس زبان کو سمجھتا ہے وہ تصویر، علامات اور رنگوں کی زبان ہے جبکہ لیفٹ برین الفاظ اور جملوں پر مشتمل کسی زبان جیسے انگلش یا اردو کو سمجھتا ہے۔ رائٹ برین ہمیں روحانی دنیا کے قریب کرتا ہے جبکہ لیفٹ برین ہمیں مادی دنیا کے قریب کرتا ہے۔

اس بات کو مد نظر رکھ کر ہم دوبارہ اسی سوال کی جانب آتے ہیں۔ آخر کیوں ماضی اور حال کے مذاہب بشمول اسلام نے تجسیم کو کسی نہ کسی صورت میں بحال رکھا۔ اس کا جواب مائنڈ سائنسز کی روشنی میں بہت سادہ ہے۔ اس معاملے کو ہم خواب کی نوعیت سے سمجھتے ہیں۔

ہم جو خواب دیکھتے ہیں تو یہ ہمارے رائٹ برین ہی کے متحرک ہونے کی بنا پر نظر آتا ہے۔ لیکن آپ پورے خواب میں دیکھ لیں وہاں کوئی بات چیت نہیں ہوتی، پھر بھی ہم ٹیلی پیتھی کے ذریعے بات سمجھ جاتے ہیں۔ وہاں صرف امیجز یعنی تصاویر ہوتی ہیں جیسے ہمارے کسی گذرے ہوئے بزرگ کی شبیہ۔ وہاں رنگ ہوتے ہیں جیسے فجر جیسا اجالا، دھند، بے حد اندھیرا وغیرہ۔ وہاں علامات ہوتی ہیں جیسے سانپ پہاڑ، دریا وغیرہ۔ وہاں فیلنگز یعنی احساسات ہوتے ہیں جیسے شدید پیاس لگنا، سانس رکنا، خوف کھانا، درد محسوس کرنا وغیرہ۔ اس دنیا میں ہر تصویر، شبیہ، رنگ اور علامت کی اپنی ایک تعبیر ہے۔

خواب ایک روحانی دنیا کی سرگرمی ہے۔ چنانچہ روحانی دنیا سے کنکٹ ہونے کے لیے ہمیں اپنے رائٹ برین کو متحرک کرنا لازمی ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ برین زبان کو نہیں سمجھتا۔ چونکہ مذہب انسان کو مادی دنیا سے اوپر اٹھا کر روحانی دنیا سے کنکٹ کرنا چاہتا ہے اسی لیے مذہب میں علامات کا استعمال ہوتا ہے۔ تمام مذاہب اس برین کو متحرک کرنے کے لیے علامات، شبیہ اور تصاویر کا سہارا لیتے ہیں۔ اگر ہم بت پرستی کو چھوڑ کر صرف اسلام ہی کی بات کرلیں جو جونہی حج کا تصور ہمارے ذہن میں آتا ہے تو بالعموم خانہ کعبہ ہمارے تصور میں آجاتا ہے۔ اسی طرح جب ہم لفظ "اللہ" بولتے ہیں تو یہ چار حروف یعنی الف، لام، لام اور ہ ڈھل کر کسی بزرگ شخصیت کا تصور بن جاتے ہیں۔ اسی لیے تمام مذاہب بشمول اسلام میں علامات کو بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہی علامات رائٹ برین کی تحریک کا سبب بنتی اور انسان کو روحانی دنیا سے منسلک کرتی ہیں۔

لیکن ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذہب میں تو مخصوص زبان کے ذریعے کچھ کلمات پڑھے جاتے ہیں۔ جیسے اسلام میں نماز میں سورہ فاتحہ، قرآن اور دیگر تسبیحات پڑھی جاتی ہیں۔ اسی طرح ہندو مذہب میں سنسکرت کے منتر، یہودیت و عیسائیت میں عبرانی کی حمد زبان ہی سے پڑھی جاتی ہے۔ اور ہم نے جانا کہ زبان کا تعلق تو لیفٹ برین سے ہے۔ اس کا جواب بہت آسان ہے۔

ہم جب زبان سے کسی مخصوص مقدس کتاب کے الفاظ ادا کرتے ہیں تو اس سے پہلے ہمارا لیفٹ برین متحرک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ہم کلمہ طیبہ کا ورد کرکے یا سورہ فاتحہ سے خدا کی حمد و ثنا کرکے اور اس سے مدد و نصرت مانگ کر لاجک اور منطق کی سطح پر اپنے آپ کو یہ باور کراتے ہیں ہم خدا کے غلام ہیں، ہم اس کے بندے ہیں اور وہ آقا، ہم عبد ہیں اور وہ معبود۔ البتہ یہ تعلق بہت ابتدائی سطح کا عقلی تعلق ہے۔ ابھی اس تعلق کی جڑیں دل میں پیوست نہیں ہوئیں، ابھی یہ تعلق اتنا مضبوط نہیں کہ انسان اس منطقی خدا کے لیے اپنا تن من دھن لگادے۔ اس ابتدائی تعلق کو اسلام کی اصطلاح میں محض تسلیم کرلینا اور مان لینا یا اسلام قبول کرلینا کہا گیا ہے جس کی تفصیل سورہ حجرات میں موجود ہے۔

اگلا مرحلہ اس منطقی اور زبانی اسلام کو ایک یقین اور ایک تحریک میں بدلنے کا ہے تاکہ اس منطقی تعلق کو جذبات، محبت اور روحانیت کی سطح پر کنورٹ کیا جاسکے۔ اس کو ایمان یا یقین کہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے رائٹ برین کو متحرک کرنا لازم ہے۔ چنانچہ اب الفاظ کے پیچھے چھپے تصورات کو نمایاں کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس تجسیم میں اولین حیثیت خانہ کعبہ کو حاصل ہے۔ اب یہ سیاہ پوش مکعب محض ایک کمرہ نہیں بلکہ اسے خدا کے گھر کا تقدس حاصل ہے۔ اب حجر اسود خدا کے ہاتھ کا نعم البدل ہے جس میں ہاتھ دے کر انسان خدا سے بیعت کرتا ہے۔ اب صفا مروہ محض پہاڑیاں نہیں بلکہ خدا کی یاد میں دوڑنے کا مقام ہے۔ اب مسجد محض ایک عمارت نہیں بلکہ خدا کے گھر کی حیثیت کی حامل ہے۔

یہ تجسیم محض مذہبی مقامات تک محدود نہیں بلکہ قرآن نے اسے پوری کائنات تک وسعت دی ہے اور کائناتی مظاہر کو خدا کی نشانیاں یا علامات کہا ہے۔ چنانچہ ہرے بھرے درخت خدا کی ربوبیت کا مظہر ہیں، اب سورج کی روشنی خدا کی صفت نور کی علامت ہے، اب بارش کی بوندیں خدا کی صفت رحم کو ظاہر کرتی ہیں، اب بلند و بالا پہاڑ خدا کے جلال و قدرت کی نشانی ہیں اور اب بے کراں سمندر خدا کی لامحدودیت کو ظاہر کرتا ہے۔

اب بات بہت سادہ ہوگئی ہے۔ کسی بھی مذہب بالخصوص اسلام کی ابتدا زبان سے چند کلمات ادا کرنے سے ہوتی ہے جسے ہم اسلام کو زبان سے قبول کرنا کہتے ہیں۔ یہ کلمات ہمارے لیفٹ برین یا لاجکل برین کو یہ باور کراتے ہیں کہ ہم کسی معاہدے کے تحت ہیں اور کسی کے غلام ہیں۔ اس کے بعد ان الفاظ کے پیچھے موجود تصورات ہمارے ذہن، دل اور دماغ میں راسخ ہو جاتے ہیں تو یہ رائٹ برین کی تحریک کا وقت ہوتا ہے۔ اب ہم اس منطقی تعلق کو جذبات اور محبت میں ڈھال کر اس قابل ہو جاتے ہیں کہ اسلام کی عقلی قبولیت کو ایمان و یقین میں بدل سکیں۔ غور سے دیکھا جائے تو حقیقی مومن اس وقت حقیقی بنے جب انہوں نے اپنے دعوہ ایمان کو زبان سمجھنے والے لیفٹ برین سے اٹھا کر رائٹ برین تک پہنچا دیا۔

اسی گفتگو سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ دین سے متعلق ہونے والے افراد کو تین حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جن کا رائٹ برین زیادہ ایکٹو ہے، دوسرے وہ جن کا لیفٹ برین زیادہ ایکٹو ہے اور تیسرے وہ جن کا معاملہ بیلنس کا ہے۔ جن کا لیفٹ برین زیادہ ایکٹو ہوتا ہے وہ لوگ اسلام لانے کے باوجود خدا سے ایک منطقی تعلق ہی قائم رکھ پاتے ہیں۔ ان کی مثال مسلمانوں میں ان فقہا کی ہے جو ہر چیز کو ظاہر کی آنکھ سے دیکھتے اور اسے منطق، فقہ اور ظاہری قانون کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس معاملے میں جب یہ ایک حد سے گذرتے ہیں تو باطنی تطہیر کو چھوڑ کر محض شریعت کے ظاہری اعمال ہی کو فوکس میں رکھنے پر تل جاتے ہیں۔

دوسری جانب جن کا رائٹ برین زیادہ متحرک ہوتا ہے وہ جذبات و احساسات کو فوقیت دیتے اور خدا سے ایک محبت و عشق کا تعلق قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب اس تحریک میں حد سے گذرتے ہیں تو شریعت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں

اور محض جذبات و احساسات ہی کو اپنا محور و مرکز بنا لیتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ گروہ صوفیا کا رہا ہے۔ لیکن دیکھا جائے تو انسان کا برین رائٹ اور لیفٹ دونوں کا مجموعہ ہے اور کسی ایک جانب جھکاؤ اس کی شخصیت میں عدم توازن پیدا کر سکتا ہے۔ اس لیے خدا سے تعلق میں عقل و خرد کی اپنی اہمیت ہے اور محبت و جذبات کی اپنی اہمیت۔ چنانچہ تیسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو رائٹ اور لیفٹ برین میں توازن قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا سے تعلق تو دیکھیں تو وہ نہ تو عقلی مقدمات سے عاری تھا اور نہ ہی جذبات و کیفیات سے آزاد۔ وہ عقل و محبت کا ایک حسین امتزاج تھا۔ ایک جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے ذریعے خدا کے وجود کے عقلی دلائل دیتے نظر آتے ہیں تو دوسری جانب آپ خدا کی محبت میں اپنا مال، اپنا آرام و آسائش، اپنی فیملی لائف سب قربان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مذہب عقل اور محبت دونوں کا ایک حسین امتزاج ہے۔ اگر اس میں لیفٹ برین یعنی منطق و عقل ہی کو اہمیت دے دی جائے گی تو یہ یہودیت کی طرح خشک احکامات مجموعہ بن کر رہ جائے گا۔ اور اگر اس میں رائٹ برین یعنی محبت و عشق ہی کو فوکس کیا جائے گا تو شریعت کی جگہ رہبانیت لے لے گی جس میں عقل دشمنی میں کسی بھی نامعقول حد کو کراس کرنے کو دین سمجھ لیا جائے گا۔ حق یہی ہے کہ رائٹ اور لیفٹ برین کو بوقت ضرورت متحرک بھی کیا جائے اور بیدار بھی رکھا جائے۔

قرآن میں تدبر کی اہمیت

وحید الدین خان

اکثر واعظین، قرآن کی تلاوت کے ثواب کو جوش و خروش کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ: یعنی جس نے خدا کی کتاب کا ایک حرف پڑھا تو اس کے لیے اس پر نیکی ہے، اور ہر نیکی دس گنا ثواب کے برابر ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کے ایک حرف کو صرف زبان سے ادا کر دینے کی بنا پر کسی آدمی کو ایسا ثواب ملے گا۔ بلاغت کے معلوم اصول کے مطابق، اس میں ایک کیفیاتی واقعے کو کمیاتی اصطلاح میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسے یہ کہنا کہ فلاں شخص اخلاص کا پہاڑ ہے۔ یہ حقیقت اس وقت واضح ہو جاتی ہے، جب کہ اس حدیث کو دوسری روایت کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے۔ قرآن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قرآن کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے۔ یہی اصول حدیث کے بارے میں بھی درست ہے، یعنی ایک حدیث دوسری حدیث کی شرح کرتی ہے۔ حدیث کی روایت کو سمجھنے کے لیے اس اصول کو سامنے رکھنا بہت ضروری ہے۔

حدیث میں ایک طرف مذکورہ روایت آئی ہے، اور دوسری طرف حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی قرآن کی ایسی قرآت میں کوئی خیر نہیں جس میں تدبر نہ ہو۔ (الدارمی، مقدمہ) قرآن کو جب بھی پڑھا جائے گا، اس کے الفاظ کی مدد سے اس کو پڑھا جائے گا۔ لیکن الفاظ بذات خود مطلوب نہیں ہوتے۔ ہر لفظ کا ایک مفہوم ہوتا ہے اور لفظ کو اس لیے ادا کیا جاتا ہے، تاکہ قاری مفہوم تک پہنچ سکے۔ الفاظ، معانی تک پہنچنے کا دروازہ ہیں۔ اس بنا پر الفاظ کی بے حد اہمیت ہے، لیکن الفاظ کی اہمیت وسیلہ کے اعتبار سے ہے، نہ کہ مقصود کے اعتبار سے۔ مثلاً ایک قاری جب حمد کا لفظ بولتا ہے تو اس کا مقصد صرف ح م د نہیں ہوتا، بلکہ اس سے مراد وہ مفہوم ہوتا ہے جو حمد کے لفظ میں چھپا ہوا ہے۔

سلسلہءِ سوال و جواب

محمد مبشر نذیر

آخرت میں غیر مسلموں کے ساتھ اللہ تعالی کیا کرے گا؟

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛ میں اپنے خالہ زاد سے ایک ٹاپک پر بات کر رہا تھا کہ میں نے اپنے بھائی جس کا نام فہیم ہے، سے پوچھا کہ "ہم لوگ مسلم گھر میں پیدا ہوئے، اس لیے ہم مسلم ہیں لیکن جو لوگ غیر مسلم گھر میں پیدا ہوئے ہیں، وہ اسلام کے بارے میں جانتے ہیں اور اسلام کو پسند کرتے ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے کسی ڈر کی وجہ سے اور دوسری کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اسلام کو پسند کرتے ہیں اور اسلام کے بارے میں اچھے تاثرات کھل کر دیتے ہیں لیکن کسی وجہ سے وہ بھی کلمہ نہیں پڑھتے اور جیسا اسلام چاہتا ہے، ویسی زندگی گزارتے ہیں تو وہ کیا جنت میں داخل ہو پائیں گے؟ والسلام، محمد مدثر، انڈیا

جواب: ڈئیر مدثر بھائی، **وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**

ہمیں کسی کے بارے میں جنت و جہنم کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالی روز قیامت عین انصاف فرمائے گا اور کسی پر بھی رتی برابر بھی ظلم نہ ہو گا۔ اللہ تعالی ہر شخص کا حساب کتاب کرتے وقت اس کی نفسیات، ذہنی اور جسمانی مسائل، ماحول، اور دیگر تمام عوامل کو دیکھ کر فیصلہ فرمائے گا۔ جن غیر مسلموں کی آپ بات کر رہے ہیں، ان کے ساتھ بھی ایسا ہو گا اور کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہو گا۔ اللہ تعالی کے ساتھ جو بھی مخلص ہو گا، اسے اس کے خلوص کا پورا اجر ملے گا اور اس کے معاملے میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ میں نے اس موضوع پر ایک تحریر لکھی تھی:

http://www.mubashirnazir.org/PD/English/PE01-1003-Meezan.htm

ہمیں تفصیل سے کسی شخص کی عاقبت کی فکر کی بجائے اپنی فکر کرنی چاہیے اور اس بات پر ایمان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالی کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ کرے گا اور اسے اس کے حالات و نفسیات کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔ کوئی اور سوال ذہن میں پیدا ہو تو بلا تکلف میل کیجیے۔

سوال: آپ کا میل پڑھنے کے بعد میرا خالہ زاد بھائی آپ سے پوچھنا چاہتا ہے کہ اعمال کی قبولیت کے لیے ایمان کا ہونا شرط ہے اور آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی انسان کا ضمیر دیکھ کر فیصلہ کریں گے۔ پلیز قرآن سے ریفرنس دے کر کلیئر کر دیں۔

جواب: مجھے آپ کے خالہ زاد بھائی کی بات سے مکمل اتفاق ہے کہ اعمال کی قبولیت کے لیے ایمان کا ہونا ضروری ہے اور یہ بات بھی درست ہے کہ اللہ تعالی ضمیر کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے۔

رہا غیر مسلموں کا معاملہ تو ان کا جرم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی نہ کسی انداز میں انکار کرتے ہیں۔ ان کے ہاں مختلف قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں:

1. وہ لوگ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا پیغمبر مانتے ہیں مگر کسی نہ کسی بہانے سے آپ کی پیروی اختیار نہیں کرتے۔ جیسے بہت سے عیسائیوں کا موقف یہ ہے کہ آپ سچے رسول ہیں مگر آپ کی رسالت صرف عربوں کے لیے ہے۔
2. وہ لوگ جو سخت مذہبی تعصب میں مبتلا ہیں اور اس وجہ سے آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام دشمنی پر اتر آتے ہیں۔
3. وہ لوگ جنہوں نے کبھی اس بات کی زحمت ہی نہیں کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی نبوت کے بارے میں غور و فکر کریں اور پھر تحقیق کر کے فیصلہ کریں۔
4. وہ لوگ اللہ تعالی کے وجود ہی کے منکر ہیں۔

ان سب گروہوں کے بارے میں تو یہ واضح ہے کہ وہ انکار خدا اور انکار رسالت کے جرم کے مرتکب ہیں اور اس کے لیے انہیں اللہ تعالی کے ہاں جوابدہ ہونا پڑے گا۔

اس کے علاوہ غیر مسلموں میں مزید یہ گروہ پائے جاتے ہیں:

1. وہ غیر مسلم جنہوں نے تلاش حق کی کوشش کی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت ان پر واضح نہ ہو سکی۔
2. وہ غیر مسلم جن تک اسلام کی دعوت پہنچ ہی نہ سکی۔ جیسے دور دراز علاقوں کے قبائلی لوگ۔
3. وہ غیر مسلم جن تک اسلام کی دعوت پہنچی تو سہی مگر مسخ شدہ شکل میں۔ پھر ان کے مذہبی راہنماؤں نے یا خود مسلمانوں کے کردار نے اسلام کا ایسا برا امیج تخلیق کر دیا جس سے ان پر حق مشتبہ ہو گیا۔ مغرب و مشرق کے بہت سے غیر مسلم شاید اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان گروہوں کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالی کی رحمت سے امید ہے کہ وہ ان کی مجبوری کو دیکھ کر ایسا فیصلہ فرمائے گا جو کہ عین انصاف ہو گا۔ قرآن مجید میں ہے: لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْساً إِلاَّ وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ، "اللہ تعالی کسی جان پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں لادتا، اس کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا اور اس پر اسی کی ذمہ داری ہے جو اس نے کیا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا فیصلہ کرتے وقت یہ لازماً دیکھے گا کہ ان تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کس درجے اور کس شکل میں پہنچی ہے؟ کیا انہوں نے اس دعوت کی حقانیت کو پرکھنے کی کوشش کی؟ کیا انہوں نے سنجیدگی سے اس میں غور کیا؟ اللہ تعالیٰ کے دیگر پیغمبروں کے ساتھ ان کا معاملہ کیا تھا؟ وہ کس درجے میں توحید سے وابستہ تھے؟ ان کی اخلاقی کیفیت کیا تھی؟

یہ سب امور "وسعھا" کے مفہوم کے اندر شامل ہیں۔ بات کو سمجھنے کے لیے کچھ دور کے لیے فرض کیجیے کہ آپ انڈیا کے کسی مسلم گھرانے کی بجائے مثلاً ناروے کے کسی گاؤں میں کسی عیسائی گھرانے میں پیدا ہوتے یا پھر منگولیا کے کسی دور دراز گاؤں کے کسی بدھ خاندان میں پیدا ہوتے یا یوگنڈا کے کسی دور دراز علاقے میں ہوتے جہاں کا مذہب شرک ہوتا۔ تصور کیجیے کہ اسلام کی دعوت آپ تک مسخ شدہ شکل میں پہنچتی۔ آپ اللہ تعالیٰ (یا اس کا جو بھی نام آپ کی زبان میں ہوتا) کے ساتھ مخلص ہوتے اور حق کی تلاش میں رہتے مگر حق واضح نہ ہو سکتا۔ اس صورت میں پوری دیانت داری سے فیصلہ کیجیے کہ آپ اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے کیا توقع کر سکتے ہیں؟ جو توقع آپ اپنے لیے کرتے ہیں، وہی ان لوگوں کے لیے کیجیے۔ امید ہے کہ اس سے بات واضح ہو جائے گی۔

مسلم اور غیر مسلم کی شادی

سوال: کیا مسلمان لڑکے یا لڑکی کی شادی غیر مسلموں سے ہو سکتی ہے؟ کیا شادی کے لیے نکاح ضروری ہے؟ کیونکہ شادی کے لیے تو صرف ڈیکلریشین کی ضرورت ہوتی ہے۔ محمد مدثر، انڈیا

جواب: غیر مسلموں کے ساتھ شادی سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ اس سے پھر بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ والدین میں سے ایک بچے کو مسلمان بنانا چاہے اور دوسرا عیسائی تو بچے کی شخصیت مسخ ہو کر رہ جائے گی۔ اس وجہ سے دین نے مسلمان لڑکی کو تو غیر مسلم سے نکاح سے ہر حال میں منع کیا ہے۔ مسلمان لڑکے کو غیر مسلم لڑکی سے نکاح بھی منع ہے۔ اس سے استثنا اہل کتاب کی پاک دامن خواتین کا ہے۔ یہ اجازت بھی اس صورت میں ہے جب غیر مسلم مسلمانوں کے ملک میں رہ رہے ہوں اور غالب امکان ہو کہ غیر مسلم خاتون پر اس سے اچھا اثر پڑے گا۔ موجودہ دور میں جو لوگ غیر مسلم ممالک میں جا کر وہاں ان کی لڑکیوں سے شادی کرتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ بالعموم وہ اپنے دین اور ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں، اس وجہ سے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

نکاح ڈیکلریشین ہی کا نام ہے جو کم از کم دو گواہوں کے سامنے ہو۔ یہ اس بات کا ڈیکلریشن ہے کہ لڑکا لڑکی اب میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی بسر کریں گے۔ اس کی صورت ایجاب و قبول ہے اور یہی نکاح ہے۔ شاید آپ کے ذہن میں خطبہ نکاح کا

تصور ہے جسے آپ نکاح سمجھ رہے ہیں۔ خطبہ سنت ہے مگر نکاح کا رکن نہیں ہے۔ نکاح کے ارکان صرف ایجاب و قبول، اعلان اور گواہ ہیں۔ خطبہ ایک سنت ہے کہ نکاح کے موقع پر وعظ و نصیحت کر دی جائے۔

سوال: اگر والدین بچوں کو مذہب اپنی مرضی سے اختیار کرنے کی اجازت دیں تو بچوں کو نہ اسلام اختیار کرنے کے لیے فورس کیا جائے نہ کوئی دوسرا مذہب، تو کیا مسئلہ حل نہ ہو جائے گا؟

جواب: ہمارا دین ہمیں تعصب نہیں سکھاتا اور نہ ہی دین کے معاملے میں کوئی جبر ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کوئی انسان خلا میں نہیں جی سکتا۔ اگر میاں بیوی دونوں ہی بچے کی تربیت کسی بھی دین کے مطابق نہ کریں گے تو پھر اس کی شخصیت میں خلا رہ جائے گا۔ اس کے بعد یا تو وہ الحاد کی طرف مائل ہو جائے گا یا پھر دین کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رہے گی۔ اس وجہ سے ہونا یہی چاہیے کہ بچے کی تربیت کسی بھی ایک دین کے مطابق کی جائے، پھر اسے یہ بھی بتا دیا جائے بڑے ہو کر اس نے خود تحقیق کر کے حق کو قبول کرنا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر باپ بچے کی تربیت اسلام کے مطابق کرنا چاہے اور ماں عیسائیت کے مطابق تو گھر میں عجیب مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ مسلم و غیر مسلم کی شادی میں یہ مسئلہ اکثر درپیش رہتا ہے اور اس کا حتمی حل ممکن نہیں ہے۔ اس وجہ سے میری رائے میں اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

قرآن مجید نے بھی اہل کتاب کی خواتین سے شادی کی اجازت جس سیاق و سباق میں دی ہے، وہ یہ تھا کہ جزیرہ نما عرب میں اسلام غالب ہو چکا تھا اور اہل کتاب مغلوب۔ ایسے میں اگر ان کی کسی خاتون سے شادی کی جاتی تو اس کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ ان کے ہاں کوئی جھگڑا پیدا ہوتا یا پھر بچہ الحاد کا شکار ہو جاتا۔ یہ اجازت سورۃ المائدہ میں عین اس مقام پر دی گئی ہے جب اسلام کی تکمیل کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس میں بھی شرط یہ رکھ دی گئی ہے کہ ان اہل کتاب کی خواتین سے شادی کرتے وقت مسلمان کو احسن انداز میں نکاح کا معاملہ کرنا چاہیے نہ کہ چوری چھپے آشنائی کا اور مسلمانوں کو اس بات کی تنبیہ بھی کر دی گئی ہے کہ ان خواتین سے شادی کرتے وقت اپنے ایمان کے معاملے پر انہیں کوئی کمپرومائز نہیں کرنا چاہیے۔

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ.

"آج کے دن تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں اور اہل کتاب کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔ تمہارے لیے ان کا کھانا حلال ہے جیسے ان کے لیے تمہارا۔ اور تمہارے لیے اہل ایمان اور تم سے پہلے اہل کتاب کی پاکیزہ خواتین (سے شادی کو حلال

کر دیا گیا ہے) بشرطیکہ تم انہیں ان کے مہر ادا کرو، پاکیزہ طریقے سے حصار نکاح میں لاتے ہوئے نہ کہ بے محابا شہوت پرستی یا چوری چھپے آشنائی کرتے ہوئے۔ جو ایمان کے بعد کفر کرے تو اللہ اس کے اعمال کو ضائع کر دے گا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا۔" (المائدہ 5:5)

امید ہے کہ اس سے بات واضح ہو جائے گی۔

والسلام

محمد مبشر نذیر

اسلامی کتب کے مطالعے اور دینی کورسز کے لئے وزٹ کیجیے

www.mubashirnazir.org